قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلۂ

التبلیغ ۲۵/۲

کا وعظ مسمّٰی بہ

احسان الاسلام

منجملہ ارشادات حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب
تھانوی قدس سرہ

ادارہ فکر اسلامی دیوبند

وعظ سے پہلے

ممبران التبلیغ کو اطلاع دیجاتی ہے کہ سلسلہ مواعظ التبلیغ کو ۲۸ حصوں پر مکمل کر دیا جائے گا جن حضرات کے درمیانی حصے رہ گئے ہیں وہ ادارہ میں اسکی تفصیل روانہ کردیں تاکہ ہم اس کمی کو پوری کر سکیں بہت سے نئے ممبران کی سٹ پوری کرنے کے لئے مواعظ التبلیغ کے حصوں کو دوبارہ شائع کرنے کا پروگرام بنالیا گیا ہے پہلی بار التبلیغ ۱ تا ۱۰ کی طباعت ہوگی موجودہ کل قیمت ۴۳ روپیہ دوسری بار التبلیغ ۱۱ تا ۱۸ کی طباعت ہوگی کل قیمت چالیس روپیہ تیسری بار التبلیغ ۱۹ تا ۲۳ کی طباعت ہوگی۔ کل قیمت ۲۵ روپیہ۔ ممبران کیلئے اخراجات معاف ہوں گے گنجائش کے مطابق اصل قیمت میں بھی کچھ رعایت دیجائیگی

ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند کا خصوصی پروگرام

بہت سے حضرات جو مواعظ التبلیغ کے ممبر ہیں وہ خصوصی پروگرام میں اپنا نام درج کرا کے خریداری نمبر حاصل کر چکے ہیں مواعظ التبلیغ کا خریداری نمبر الگ ہے اور خصوصی پروگرام کا خریداری نمبر الگ ہے لہذا خط لکھتے وقت ممبران حضرات اس کا ضرور خیال رکھیں اگر مواعظ التبلیغ کے متعلق کچھ معلومات کرنا ہو یا چھٹے ہوئے حصوں کو منگانا ہو تو التبلیغ کا خریداری نمبر تحریر کریں بغیر خریداری نمبر کے تعمیل حکم مشکل ہے۔

بعض حضرات صرف اپنا نام ہی خط پر لکھتے ہیں اور پتہ غائب رہتا ہے پھر ادارہ کی شکایت کرتے ہیں کہ ادارہ والے خط کا جواب ہی نہیں دیتے اس لیئے اپنی شکایت سے پہلے ہماری شکایت پر بھی غور کریں

خصوصی پروگرام میں شرکت کرنے والوں کو رسید دیجاتی ہے جو رسید کا نمبر ہوتا ہے وہی خریداری نمبر ہوتا ہے

خصوصی پروگرام کی چند کتابیں

امداد الفتاوی جدید کی کل ۸ جلدیں ، حکیم الاسلام اور انکی مجالس کی کل دو جلدیں ، صداقتِ اسلام جدید ایک جلد، الفتح الربانی ایک جلد، بوادر النوادر جدید کل دو جلدیں ، مواعظ حکیم الاسلام ایک جلد، ملفوظات حکیم الاسلام ایک جلد، یہ کتابیں ہر چھ ماہ کے بعد ایک جلد تیار ہوگی ان کتابوں کی قیمتیں مختلف ہوں گی کم سے کم ۱۵ روپیہ زیادہ سے زیادہ ۳۵ روپیہ ممبران کے لیئے اخراجات معاف اصل قیمت میں بھی کچھ رعایت دیجائیگی ممبری کیلئے صرف ۵ روپیہ پیشگی روانہ کردیں ۔

امداد الفتاویٰ کی جلد اوّل تیار ہوگئی ہے قیمت ۳۰ روپیہ اخراجات ڈاک ۳/۵۰ روپیئے کل ۳۳/۵ روپیئے ممبران کے لیئے رعایتی وی پی ۲۵/- روپیئے ، اب اسکے بعد حکیم الاسلام اور ان کی مجالس جلد اوّل شائع کیجارہی ہے قیمت ۲۰/- روپیہ اخراجات ڈاک ۳/- کل ۲۳/- روپیہ ممبران کے لیئے رعایتی وی پی ۱۶/- روپیہ ،

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الوعظ المسمّٰی بہ

احسان الاسلام

أَیْنَ	کہاں ہوا	جامع مسجد کانپور
مَتٰی	کب ہوا	۱۰ر محرم ۱۳۴۲ھ بروز جمعہ
کَمْ	کتنی دیر ہوا	۲ گھنٹہ ۵۰ منٹ
کَیْفَ	کس حالت میں ہوا	کھڑے ہو کر
لِمَ	سبب وعظ	
مَاذَا	کیا مضمون تھا	
مَنِ انْتَفَعَ	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	
مَنْ ضَبَطَ	کسنے لکھا	احمد عبد الحلیم کان اللہ لہ
المُسْتَمِعُوْنَ	سامعین کی تخمینی تعداد	ایک ہزار (۱۰۰۰)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلٰی من اسلم وجھہٗ للہ وھو محسن فلہ اجرہٗ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○ یہ ایک آیت ہے کہ جس کے اول میں رد ہے بعض مدعین کے ایک غلط دعوی کا اور بعد میں دلیل رد کے مقام پر ایک قاعدہ کلیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے ایک نہایت ضروری مضمون ذکر فرمایا ہے جو جامع ہے تمام مشرب ومسلک حق کا کہ جس کے بہت سے فروع ہیں اور وہ ایسا ہے جسکے اہمال سے ہم لوگوں کی تمام حالتیں تباہ وبرباد ہو رہی ہیں جس کے اسباب مختلف عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں مگر حقیقت میں اس تباہی وبربادی کا اصلی سبب اس قاعدہ کلیہ کا چھوڑ دینا ہے اس آیت میں اسی کا ذکر ہے ہر چند کہ

ـــــــــــــــــــ
۷ چھوڑ دینا ۱۲

رد اور قاعدہ کلیہ دونوں میں یہاں زیادہ محط[1] فائدہ رد ہے مگر وہ قاعدہ کلیہ جو کہ رد کیلئے بھی کافی ہے اور نیز ہماری حالتوں کی اصلاح بھی اس سے وابستہ ہے چونکہ وہ متضمن دو فائدہ کو ہے اس لئے اس وقت بیان میں وہ ہی زیادہ مقصود ہے اور وہ قاعدہ کلیہ کہ جس پر مدار ہے ہماری فلاح کا اور جس سے غافل رہنے کیوجہ سے ہماری خرابی اور تباہی بڑھتی جاتی ہے اور نہایت ضروری ہے وہ تعبیر میں تو بہت چھوٹی سی بات ہے مگر حقیقت میں بہت بڑی بات ہے اور اس امر ضروری کا نام جس کا تکفل[2] اس قاعدہ نے کیا ہے حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنا ہے۔

تعلق خدا میں ایک غلطی پر انتباہ

اب ان لفظوں کی حقیقت پر جب تک زیادہ غور نہ کیا جاوے یہ سمجھ میں نہ آویگا کہ ہم نے اس قاعدہ کو چھوڑ رکھا ہے اس واسطے کہ ہر شخص یہی جانتا ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ ہمارا خدا سے تعلق ہے مگر یہ امر غور طلب ہے کہ آیا آپ کو خدا سے تعلق ہے یا خدا کو آپ سے تعلق ہے ....

....

[1] اصل فائدہ ۱۲ [2] ذمہ داری ۱۲

......پس یہ ہے سمجھ لینے کی بات سو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا کو تو ہم سے تعلق ہے اور ہمیں خدا سے تعلق نہیں ہے اور اس نے باوجودیکہ اس کے ذمہ واجب نہیں لازم نہیں مگر اتنے حقوق ادا کئے ہیں کہ ہم اُن کا شمار و اندازہ بھی نہیں کر سکتے یہ محض تعلق اور رحمت ہے ورنہ ہمارا کیا حق اور کیا لزوم

ایک عقائد کا مسئلہ

اہل سنت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی حق خدا پر واجب نہیں جو کچھ وہ عطا فرمائے محض رحمت اور خالص عنایت ہے۔ معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہل سنت کا خلاف کیا ہے خدا جانے کیا سمجھے کہ ہمارا حق خدا پر واجب ہے وجوب کا کوئی سبب کوئی علت ہونی چاہیئے یہ بلا علت واجب کیسے ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ نے کچھ نہیں سمجھا اگر کوئی سبب یا علت ہو تو وہ بھی انھیں کی ہے پھر بھی ہم مستحق نہیں ہو سکتے وہ کہتے ہیں عبادت سے خدا پر جنت دینا واجب ہے اور وجوب عقلی کے قائل ہیں۔ مگر انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سبب جو تراشا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ سبب بھی انھیں کا عطا کیا ہوا ہے اگر اسمیں کچھ ظاہری سبب ہے تو اسکا یہ اثر موقوف ہے۔ اس کے مقبول ہونے پر سو مقبول ہونا تو درکنار غنیمت ہے کہ ان اعمال پر مواخذہ نہ ہو۔ لطیف المزاج شخص اندازہ کرلے کہ ایک بدسلیقہ خدمتگار ہے

پنکھا جھلتے وقت کبھی مار دیتا ہے کبھی کسی کاغذ کو پریشان کر دیتا ہے غرض ایک ادھم مچا رہا ہے اور آقا حلم و کرم سے معاف کر دیا کرتا ہے تو کیا اس خدمت گذار کا اپنی اس بیہودہ کارگذاری کو قابل انعام سمجھنا صحیح ہوگا۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

جناب یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے کچھ حاصل ہو گیا حالانکہ جناب کا حاصل سوائے پندار و گمان کے کچھ نہیں ہے ۱۲

وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی خدمت کی۔ ارے کمبخت کیا خدمت کی یہ آقا کا احسان ہے کہ وہ کرم کرتا ہے اور بڑی عنایت ہے کہ جرمانہ نہیں کرتا اسی طرح ہماری عبادت ہے کہ ہم اس کا پورا پورا حق تو کیا ادا کرتے کہ محال ہے مگر جتنا سوار کر ہم کر سکتے ہیں وہ بھی تو نہیں کرتے۔ کیوں صاحبو! کیا اپنی نماز کی حالت آپ درست نہیں کر سکتے۔ کیا آپ قادر نہیں خشوع و حضور قلب پر اگر کوئی کہے کہ ہم تو قادر نہیں تو ہم کہیں گے تم حضور قلب کی حقیقت ہی نہیں جانتے۔

نماز میں حضور قلب کی حقیقت

حضور قلب کی حقیقت یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت برابر یہ خیال رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں کیا صاحبو! یہ آپ سے نہیں ہو سکتا باقی خیالات اور وساوس کا بند کرنا حضور قلب نہیں ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا ہی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ تو بالکل ظاہر

ہے کہ خیالات کو روکنا اختیار سے باہر ہے اگر حضور قلب کی یہ حقیقت ہوتی اس سے یہ عقیدہ کی خرابی ہوگی کہ یہ تو ہمارے اختیار سے باہر اور پھر ہم اسکے مکلف تو گویا ہم کو ایسی چیز کی تکلیف دی گئی کہ ہماری قدرت سے باہر ہے اور یہ سراسر خلاف ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے کہ کسی ایسی بات کا خدا نے حکم نہیں کیا جو قدرت سے خارج ہے تو اس کا مامور بہ ہونا اس آیت کے معارض ہوگا پس حضور قلب کی حقیقت اتنی ہے کہ اس قدر متوجہ رہو کہ میں کیا کر رہا ہوں پھر اگر اس خیال کے ساتھ اور خیال بھی آویں تو آنے دو آپ کا کام یہ ہے کہ کشتی کی سیدھ باندھ لیجئے باقی موجوں کا روکنا کشتی بان[1] کا کام نہیں بلکہ اگر وہ اس کی کوشش بھی کرے تو کشتی کا ساحل پر پہونچنا تو درکنار سلامتی بھی دشوار ہے اسی طرح خیالات وساوس امواج ہیں یہ قیامت تک بند نہیں ہو سکتے آتے ہیں آنے دیجئے امواج کشتی کی رفتار کو روکتی ہے مگر کھڑا نہیں کر سکتیں اسی طرح خیالات وساوس آتے ہیں آنے دیجئے یہ حضور قلب کے منافی نہیں۔ بس آپکا کام اتنا ہی ہے کہ آپ برابر یہ خیال رکھئے کہ نماز پڑھ رہا ہوں۔ اب قرارۃ کر رہا ہوں اب سبحان ربی العظیم کہہ رہا ہوں اب سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہا ہوں غرض جو فعل کیجئے اپنے قصد و ارادہ سے کیجئے اس طرح نہیں کہ گھڑی میں ایک دفعہ کوک (چابی) دیدی اب وہ برابر چل رہی ہے۔ ہماری کوک تکبیر تحریمہ ہے ادھر تکبیر تحریمہ کہی اور بس

[1] کشتی چلانے والا ۱۲

بے فکر ہو گئے اب تمام حساب و کتاب اور تمام معاملات نماز ہی میں طے ہو رہے ہیں ان حرکات کی عادت اور مشق ہو گئی ہے اس لئے جب رکوع کا وقت آتا ہے خود بخود رکوع ہو جاتا ہے جب سجدہ کا وقت آتا ہے تو خود بخود سجدہ ہو جاتا ہے اسمیں ہمارے قصد کو دخل ہی نہیں ہوتا۔

حضور قلب کی ایک مثال

حضور قلب کی ایک نہایت آسان مثال ہے وہ یہ ہے کہ کسی حافظ صاحب کو کوئی سورہ کچی ہو اور تراویح میں سنانا ہو تو وہ کیا کریں گے یہ کریں گے کہ دن بھر دیکھنے کے بعد رات کو جسوقت وہ سورۃ آئیگی برابر سوچتا رہے گا کہ ان ان مقام پر فلاں سہو آیا ہے۔ غرض برابر دھیان اپنے پڑھنے کی طرف رہے گا۔ اور خیالات بھی آتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اول سے آخر تک وہ سورۃ سنا دیگا۔ تو جیسی توجہ حافظ صاحب کو اس کچی سورۃ سنانے کے وقت ہوتی ہے بس یہی حضور قلب ہے۔ اگر حضور قلب قدرت سے خارج ہے تو حافظ صاحب کو کیونکر ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدرت سے خارج نہیں۔ اور یہ سخت غلطی ہے کہ قدرت سے خارج سمجھ لیا ہے اور عوام کیا بہت سے اہل علم بھی ایسا ہی سمجھ رہے ہیں ان حضرات کی ساری وجہ غلطی کی یہ ہے کہ ہمارے درس میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں یہ حقائق مذکور ہوں بس حکایتیں

دیکھ لیں سُن لیں کہ نماز میں تیر لگا اور خبر نہ ہوئی اور اسی کو حضورِ قلب سمجھ گئے حالانکہ یہ ایک طرح کی حالت ہے دھن کی اور حضورِ قلب وہی ہے جو میں نے بیان کیا اس تقریر سے حضورِ قلب کی حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی۔ خصوص اس مثال سے تو کوئی شبہ باقی نہ رہا ہوگا جو بات دفتر سے حل نہ ہوتی وہ اس مثال سے واضح ہوگئی جب حقیقت اس کی یہ ہے تو اختیاری ہے چنانچہ قرآن میں جہاں بھولنے کا شبہ ہو ہر شخص سوچ سوچ کر پڑھتا ہے چنانچہ حافظ جی رات کو غوطہ کھا کھا کے سورۃ ختم کرتے ہیں تو ان کو حضورِ قلب کیسے حاصل ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے اختیار میں ہے جب تو حاصل ہو جاتا ہے اب بتائیے کہ آپ نماز میں کتنا حضورِ قلب کرتے ہیں پورا تو کیا جتنا کر سکتے ہیں اتنا بھی نہیں کرتے اور اگر پورا پورا کر بھی لیا تو بھی خدا پر کوئی حق ہمارا نہیں ہوا اس واسطے کہ یہ کیفیت جو میسر ہوئی یہ بھی تو انہی کا عطیہ ہے۔

شعر

نیاوردم از خانہ چیزے نخست — تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

میں ابتدائً اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا۔ تمام چیز آپ نے عطا فرمائی ہیں اور میں بھی آپ ہی کی چیز ہوں ۱۲

تو جب نماز ہی نہیں خدا کی پھر اس سے ہمارا حق جنت میں کدھر سے ہو گیا اسکی تو ایسی مثال ہے کہ کسی نے کسی کو ایک برتن دیدیا اب وہ شخص یہ سمجھے کہ برتن دینے والا قرضدار ہو گیا کیونکہ اُس نے برتن

دیا ہے تو کھانا بھی اس کے ذمہ قرض ہو گیا اور اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ کرتے کا بھی میں ہی مستحق ہوں کہ آپ کا دیا ہوا پاجامہ پہنے ہوں۔ بہر حال یہ سب انھیں کا ہے پھر ہمارا کیا استحقاق جو نماز ہم پڑھتے ہیں وہ بھی خدا ہی نے ہمیں دی ہے تو بس کیا اس سے خدا ہمارا قرض دار ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے اہل سنت کو اس غلطی سے محفوظ رکھا اس واسطے کہ جن اسباب میں استحقاق کی صلاحیت ہے وہ سب بھی تو انھیں کے ہیں کوئی شخص اپنے غلام کو سرمایہ دیتا ہے کہ یہ لیکر تجارت کرو اسمیں جو نفع ہو آدھا ہمارا آدھا تمہارا اور سرمایہ سب ہمارا یہ محض لیاقت اور سلیقہ سکھانے کے لئے ایسا کرتا ہے کہ کسی طرح غلام کو اس لالچ میں تجارت آجائے ورنہ سارا نفع و سرمایہ آقا ہی کا ہے۔ اسی طرح ہم نے جو نماز و روزہ کیا اس کی توفیق ہمیں انھیں نے دی نفع بھی انھیں کا اور سرمایہ بھی انھیں کا مگر ہمارے خوش کرنے کو کہدیا کہ تمہارا ہے بہر حال خدا پر کسی کا حق نہیں مگر اس پر بھی کیا رعائتیں کی ہیں کہ آپ اہل حقوق کی بھی اتنی رعایت نہیں کر سکتے غرض ان کے ذمہ تو کوئی حق نہ تھا اور وہ دے رہے ہیں اور آپ پر اُن کے بے شمار حقوق ہیں۔ اور پھر بھی آپ اُن کی عظمت کے موافق تو کیا اتنا بھی نہیں کرتے جتنا اپنے مجازی آقا کا کرتے ہیں۔

نعمتہائے حق کی ایک مثال

خدا کی طرف سے جو تنخواہ ہم کو ملتی ہے وہ اسقدر ہے

کہ اندازہ نہیں ہو سکتا اور وہ تنخواہ کیا ہے ایک مثال سے سمجھئے ایک شخص کی آنکھ نہیں ڈاکٹر کہتا ہے کسی کی آنکھ نکال کر لگا دی جائے گی۔ کسی غریب فاقہ زدہ سے کہا کہ پانچسو روپے لے لو ایک آنکھ بیچ ڈالو وہ کہتا ہے آنکھ بھلا اتنی کم قیمت میں بیچ ڈالوں بھلا کم از کم ایک لاکھ تو ایک کی قیمت ہو اگر ضرورت ہے تو ایک لاکھ میں اس کی آنکھ لیجائیگی اسیطرح تمام اعضاء بدن کی قیمت جوڑ لو تو کروڑوں روپیہ ہر وقت ہمارے پاس ہے تو یہ دولت تو ظاہری ہمارے پاس ہے اور اگر دولت باطنی کو دیکھا جائے تو اسکی قیمت کی تو انتہا ہی نہیں۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے شہر میں گذر ہوا دن میں دیکھا کہ شہر پناہ کا پھاٹک بند ہے لوگوں سے دریافت کیا کیوں بند ہے معلوم ہوا کہ بادشاہ کا شکاری باز اڑ گیا ہے تو بادشاہ نے شہر پناہ کے پھاٹک بند کرا دیے ہیں تاکہ وہ باز شہر سے باہر نہ نکل جاوے انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا وہ پھاٹک سے کیوں جانے لگا اوپر سے اڑ کر جا سکتا ہے بادشاہ بڑا ہی احمق ہے حق تعالیٰ سے ناز میں عرض کیا کہ ایسے احمق کو تو سلطنت دی اور ہم ایسے عاقل پھر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں یہ مقام ادلال و ناز کا ہوتا ہے اہل حال کو زیبا ہے اگر کوئی دوسرا حرص کرنے لگے تو دیکھو کبھی...

جوتیاں نہ لگ جائیں جواب میں ارشاد ہوا کہ تمہاری عقل و تمیز اور فقر اس کو اور اس کی حماقت و سلطنت تم کو دیدوں تم راضی ہو پھر تو معذرت کرنے لگے کہ میں قیامت تک بھی اسے گوارا نہ کروں گا

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو نے اپنی قیمت دونوں عالم بتلائی ارے بھاؤ بڑھا کہ ابھی قیمت کم ہے

یہ انسان کی قیمت ہے پھر کہتا ہے میں مفلس ہوں۔ افسوس تم نے اپنی قدر و قیمت خود نہیں سمجھی ادھر سے تو اس قدر عطا ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں ان تنخواہوں کے بعد اگر اوسط لگایئے تو ادنیٰ درجہ ایک لاکھ ماہوار تو ضرور ہوتا ہے تو جب حق تعالیٰ ایک لاکھ ماہوار دیتے ہیں۔ اور دوسرا پچاس روپئے ماہوار دیتا ہے تو جو نسبت تنخواہوں میں ہے وہی نسبت حقوق کے ادا کرنے میں ہونا چاہئے اب آپ ہی دیکھ لیجئے کہ آپ آقا کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے حقوق کتنے ادا کرتے ہیں آقا کے برابر تو کیا اس سے دسواں بیسواں حصہ بھی تو ادا نہیں کرتے اور حقوق جانے دیجئے ذرا سا فرض یہ نماز ہے ایک منٹ میں ایک رکعت بخوبی ہو جاتی ہے۔ شب و روز کے فرض و واجب کی بیس ۲۰ رکعتیں ہوتی ہیں اور سنن کی بارہ رکعتیں ہیں سب ملا کر بتیس ۳۲ ہوتی ہیں جن میں بتیس منٹ صرف ہوتے ہیں وضو کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ قابل شمار نہیں حضرت منہ ہاتھ دھونا اس میں اللہ میاں پر کیا احسان وہ تو بے نمازی بھی دھوتے ہیں اگر کوئی

گئے ہیں کہ ہم یوں منہ ہاتھ نہ دھوتے محض وضو کی وجہ سے دھو لیتے ہیں تو ایسے منحوس سے ہمارا خطاب نہیں ہم نے ایسے بھی دیکھے کہ ہفتوں منہ ہاتھ نہیں دھوتے کسی روز حاکم آگیا تو منہ ہاتھ دھو لیا تو ایسے منحوسوں سے خطاب کون کرے بہرحال وضو میں تو اپنی بشاشت ہے صفائی اور تبریدؔ اعضاء کے خیال سے یوں بھی منہ ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں تو وضو میں تو کوئی کلفت ہی نہیں جو اس کو شمار کیا جاوے ہاں اگر مصیبت ہے تو نماز میں خود حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ اور نماز بہت بھاری ہے مگر خشوع والوں کو بھاری نہیں (اور خشوع والے) وہ لوگ ہیں جو یہ یقین رکھتے کہ ہم اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

یعنی نماز گراں ہے کہ ہنسو نہیں بولو نہیں یہ نہیں کہ جدھر چاہو منہ کر کے کھڑے ہو گئے ایک ہی طرف منہ کئے کھڑے رہو ان کی وجہ سے کلفت ہے تو بہرحال شب و روز میں تینتیس ۳۲ منٹ یعنی چوبیس گھنٹہ میں تقریباً آدھ گھنٹہ کیا بہت ہے اور اگر کوئی بڑا ہی خاشع خاضع ہوا تو خیر بہت سے بہت ایک گھنٹہ صرف ہوگا ہاں اگر امامت کریں گے تو بیشک بغیر سورۂ بقر کے نماز ہی نہ ہوگی ورنہ اپنی نماز تو انا اعطینا اور قل ہو اللہ احد ہی سے ہمیشہ ہوا کرتی ہے اگر کہیں

ؔ ٹھنڈ حاصل کرنا ۱۲

یہ حکم ہوتا کہ بغیر سورۂ بقر کے نماز ہی نہیں ہوگی۔ شاید یہ لوگ
تو نماز ہی نہ پڑھتے مگر ایسا حکم تو ہوا نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کا تو یہاں تک مذہب ہے کہ ایک آیت سے فرض اور ایک آیۃ طویل یا
تین آیۃ قصیر اور سورہ فاتحہ سے واجب ادا ہو جاتا ہے مثلاً سورۂ
فاتحہ کے بعد مُدْهَامَّتَانِ پڑھ لیا فرض نماز ہو گئی ممکن ہے کہ کوئی
صاحب ہمت ایسا ہی کرنے لگیں کہ بس مُدْهَامَّتَانِ پڑھ لیا نماز تو
ہو ہی جاویگی ایک منٹ میں آٹھ رکعتیں پڑھ ڈالیں تو حضرت فرض تو
ادا ہو جاویگا لیکن واجب تو رہ جاوے گا۔ اسی طرح تعدیل بھی
واجب ہے اور ائمہ تو فرض کہتے ہیں یہ امام صاحب ہی کا مذہب ہے
اور امام صاحبؒ نے اسقدر سہولت اپنے لئے نہیں کی یہ ساری
سہولت ہمارے آپکے لئے کی تھی وہ خود تو اسقدر نماز پڑھتے تھے
کہ مدتوں عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی ہے تو یہ سہولت ہمارے
واسطے ہے تاکہ کوئی بے نمازی نمازی بننا چاہے تو اسے تنگی نہو تو یہ
ہے ہماری نماز جو آدھ گھنٹہ میں سب فرض سنتیں ہو جاتی ہیں اور جو
ہم میں خاشع و خاضع ہیں ان کو ایک گھنٹہ کافی ہے خیال تو کیجئے
کہ اتنی بڑی تنخواہ اور کار گذاری کتنی مختصر کہ چوبیس گھنٹہ میں آدھ
گھنٹہ اور ساڑھے تیئس گھنٹہ میں عام اجازت ہے بجز گناہ کے جو
چاہے کیجئے اور اس پر بھی بعضے وہ ہیں کہ کچھ نہیں کرتے اور بعضے
ان سے بڑھ کر ہیں کہ خود بھی نہیں کرتے اور اوروں کو بھی نہیں کرنے دیتے

ایک بنیے کی نتیجہ خیز حکایت

اس پر ایک حکایت یاد آگئی بلوہ کے زمانہ کا قصہ ہے کہ جہاں لاشیں پڑی تھیں ایک شخص زخمی تھا زخم اتنا کاری تھا کہ اٹھ کر جا نہیں سکتا تھا اتفاقاً کسی ضرورت سے ایک بنیے کا اُدھر گذر ہوا اس شخص نے آہٹ پاکر ضعیف آواز سے پکارا بنیا اس آواز سے ڈرا کہ مردہ کہاں بولنے لگا اس نے کہا ڈرو نہیں میں زخمی ہو گیا ہوں چل نہیں سکتا ہوں تم ذرا ادھر آؤ بنیے نے کہا ہم نہیں آتے اس نے پھر کہا بھائی ذرا ادھر تو آؤ میری کمر میں ایک ہمیانی بندھی ہوئی ہے ایک ہزار روپیہ ہے میں مرجاؤں گا یہ ضائع ہو جاویگا تم اسے کھول لے جاؤ تمہارے ہی کام آویگا اب تو لالہ کے منہ میں پانی بھر آیا اسکی طرف بڑھے ڈرتے ڈرتے جب قریب پہنچے تو اُس نے ٹانگ پر ایک تلوار رسید کی اور کہا کہ میاں روپیہ کہاں یہاں رات بھر اکیلے جی گھبراتا ہے میں نے خیال کیا کہ کسی آدمی کو پاس رکھنا چاہیے ویسے تو کون رہتا اس لئے تم کو پاس رکھوں گا بنیا گر پڑا اور بڑا ناخوش ہوا اور غصہ میں کہنے لگا کرے ستیاناس آپ چلے نہ اوروں کو چلنے دے تو آجکل بھی یہی حالت ہے کہ دین میں نہ آپ چلیں نہ اور کو چلنے دیں اگر کوئی بندہ خدا تمام مصلحت پر خاک ڈالکر اس شعر کے مضمون کا عامل ہو بھی گیا

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

میں نے مصلحت اسمیں دیکھی کہ یار تمام کام چھوڑ دیں اور سب ملکر ایک یار کے طریقِ عمل کو اختیار کریں۔

اور خدا کی راہ پر لگ گیا تو وہ ان کے زعم میں بالکل ہو گیا وہ ان کے نزدیک معاش سے محروم ہو گیا حالانکہ دیندار لوگ باوجود کم ہنری کے بھی کھانے پہننے میں ان ہنرمند دنیاداروں سے اچھے پڑ رہتے ہیں

ایک ضروری بات

ہمارے یہاں ایک بزرگ تھے انھوں نے ایک عجیب لطیفہ کہا تھا کہ علم دنیا تو جب تک خاص مقدار میں نہ ہو کام نہیں آتا مثلاً بی، اے ایف اے ہو تو نوکری ملے یا اس سے گھٹیا ہو تو انٹرنس ہو اور مڈل کا بالکل ذلیل درجہ ہے پھر اس مقدار تک پہونچنا موہوم خصوصاً آج کل کی عمریں تھوڑی ہوتی ہیں پھر یہ بھی احتمال ہے خدا جانے برابر پاس ہوتے رہیں گے یا فیل ہوں گے مگر یہ اپنے فعل سے باز نہیں آتے خواہ نیک فعل ہو یا بد فعل سب یا اسی میں مبتلا ہیں اور نوکری کو بزبان حال کہہ رہے ہیں۔

تا تو یکن می رسی من بخدا می رسم ۔ (ترجمہ) جب تک تو میرے پاس پہونچیگی میں خدا تک پہونچ جاؤں گا یعنی مرجاؤں گا ؂

یہ تو علم معاش کی حالت ہے اور علم دین وہ چیز ہے کہ اسکی کوئی مقدار بھی بیکار نہیں آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی چنانچہ اسکے حاصل کرنے والے کیلئے کھانا کپڑا سب ہی کچھ مہیا ہو جاتا ہے علم دین اگرچہ معاش کے لئے ہے ہی نہیں لیکن اگر کسی کو اس سے معاش ہی حاصل

کرنا ہو تو اس میں جب بالکل ادنیٰ درجہ کی مقدار ہے کہ اذان یاد کرلے جو کہ پانچ منٹ میں یاد ہوتی ہے تو اس میں بھی توروٹیوں کی کمی نہیں گو کانپور میں نہیں ملیں گی مگر کسی گاؤں میں چلا جاوے وہاں کسی مسجد میں اذان کہنا اور جھاڑو دینا شروع کردے دو چار دن میں روٹیاں ضرور مقرر ہو جاویں گی اور علم معاش میں اول تو ادنیٰ درجہ کیلئے بھی کئی برس چاہئیں اور پھر بھی نوکری کا ملنا موہوم ہے علاوہ اس کے ایک تفاوت[۱] اور ہے وہ یہ کہ ظاہر ہے کہ مسلمان مخاطب ہیں ایمان بالتقدیر کا تو اب میں پوچھتا ہوں کہ آیا تقدیر کے مسئلہ پر ایمان ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو تجدید اسلام کی ضرورت ہے کہ ایسا شخص خارج از اسلام ہے اور اگر ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ بی اے ایم اے پاس کرنے پر بھی قسمت سے زیادہ نہیں ملیگا پھر کیوں خرافات میں مبتلا ہوئے ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ بیشک تقدیر پر ایمان ہے مگر تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی تو شرط ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاں شرط ہونا مسلم مگر علت تو نہیں ہے۔

شرط وعلت کا فرق

باقی شرط وعلت میں کیا فرق ہے سو فرق یہ ہے علت پر تو معلول کا مرتب ہونا واجب ہے اور شرط پر مشروط کا مرتب ہونا واجب نہیں ہاں مشروط کے لئے شرط کا ہونا واجب ہے تو اگر

[۱] فرق ۱۲

ہم تدبیر کرنے والے کو ضرور کامیاب پاتے ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اپنی معمولی لیاقت سے بہت کچھ کمارہا ہے اور ایک دوسرا شخص ہے کہ اس کی دونی لیاقت ہے مگر کماتا اس سے آدھا بھی نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ علت نہیں ورنہ معلول کا اس سے انفکاک[1] نہ ہوتا اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ شرط بھی نہیں اگر شرط ہے تو مطلق تدبیر ہے نہ کہ خاص بی' اے' اور ایم' اے بننا بس اتنا ضروری ہے کہ کوئی بہانہ ہو البتہ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ کسی بہانہ میں کم ملیگا کسی میں زیادہ لیکن یہ کمی بیشی ذرائع میں ہے باقی مقصود تو ممکن ہے کہ کم ذرائع والا مقصود میں زیادہ کامیاب ہو اور زیادہ ذرائع والا مقصود میں کم رہے۔

ایک نواب صاحب کی عبرت آموز حکایت

ایک نواب صاحب کی حکایت ہے کہ صرف دو تولہ گوشت کا قلیا بجائے غذا کے کپڑے میں پوٹلی بنا کر چوسا کرتے تھے انھوں نے ایک بار ایک لکڑ ہارے کو دیکھا کہ دوپہر کے وقت سایہ میں بیٹھکر بوجھ پھینکا ایک روٹ کپڑے میں سے کھولا اور ایک گنٹھی پیاز کے ساتھ کھا پی کر وہیں لیٹ کر خراٹے لینے لگا نواب صاحب کہنے لگے کہ میں راضی ہوں کہ میری نوابی لے لے اور اس کی صحت مجھے

[1] یعنی جدائی نہ ہوتی ۱۲

دیدی جائے۔ تو دیکھئے کثیر الذرائع شخص ان ذرائع کو مقصود سے
بدل لینے پر رضامند ہو رہا ہے اور اگر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں تو خیر
خود ہی مبتلا رہو۔ مگر دوسروں کی کیوں راہ مارتے ہو یہی غنیمت
سمجھو کہ ہم تمہیں عربی پڑھنے کو نہیں کہتے آپ کو عربی خوانوں کی
ہمدردی کا بڑا جوش ہے کہ یہ بھی انگریزی پڑھیں اور تعجب ہے کہ کیوں
انگریزی نہیں پڑھتے اور اس کا سبب کم ہمتی قرار دیتے ہیں میں کہتا
ہوں آجکل عربی پڑھنا بڑی عالی ہمتی کی بات ہے کیونکہ عربی کی
آجکل سخت ناقدری ہے اور بظاہر کوئی دنیوی غرض بھی اس سے
پوری نہیں ہو سکتی پھر بھی جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے
عالی ہمت اور ولی ہیں کہ رضا اور قرب حق کے لئے وہ اپنی دنیا چھوڑے
ہوئے اور ہر قسم کے طعن و تشنیع سننے کیلئے آمادہ ہیں۔ تو انکی قدر کرنی
چاہئے نہ کہ تحقیر علاوہ اس کے میں ان حضرات مصلحین سے بحیثیت
اسلام کے پوچھتا ہوں کہ آیا علماء کا قوم کے لئے ہونا ضروری ہے یا نہیں
اگر نہیں ہے تو اس کا قائل ہونا پڑیگا کہ پھر اسلام کی بھی ضرورت
نہیں کیونکہ بدون علماء کے اسلام قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی
پیشہ بدون اس کے ماہرین کے چل نہیں سکتا یہ اور بات ہے کہ
تھوڑی بہت معلوماتِ دینی سب کو ہو جائیں اور اس سے وہ محدود
وقت تک کچھ ضرورت رفع کر لیا کریں مگر اس سے اس مقدار ضرورت
کا بھی بقا نہیں ہو سکتا بقا کسی ہنر کا ہمیشہ اس کے ماہرین سے ہوتا ہے

تو ماہرین علماء کی ضرورت ٹھہری پھر یہ ماہر بن کیسے پیدا ہوں سو تجربہ سے اسکی صرف یہی صورت ہے کہ ساری قوم پر واجب ہے کہ چندہ سے کچھ سرمایہ جمع کر کے علماء کی خدمت کر کے آئندہ نسل کو علوم دینیہ پڑھائیں اور برابر یہی سلسلہ جاری رکھیں سو عقلاً تو یہ بات واجب تھی کہ ساری قوم اسکی کفیل ہوتی مگر ایک طالب علم بیچارہ نے اپنا فرض (قرض) آپ پر سے معاف کیا اور اپنے ہی اوپر مصیبت جھیل کے تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہوا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ اسکی قدر کرتے بجائے اسکے اور بزنی کرتے ہیں کہ عربی پڑھو گے تو کھاؤ گے کیا۔ کیا مسجد کے مینڈھے بنو گے ہاں ہاں صاحب دنیا کا کتا بننے سے اچھا ہے ۔ ریاست رامپور میں ایک نے دوسرے کے بچہ کو انگریزی پڑھانیکی رائے دی اس نے کہا کہ قرآن شریف ختم ہو جائے تو پڑھاؤں گا اور معلوم ہوا کہ دو سال میں نصف ہو چکا ہے نصف باقی ہے تو وہ صاحب کیا فرماتے ہیں کہ دو سال تو ضائع گئے اور دو سال کیوں ضائع کرتے ہو یہ حالت رہ گئی ہے مسلمانوں کی یہ کیا اسلام ہے انا اللہ چاہیئے تو یہ تھا کہ اگر کوئی تحصیل علوم دینیہ کی طرف توجہ نہ کرتا تو تمام قوم کا فرض تھا کہ خوشامد کر کے کچھ لوگ اس کے لئے تیار کرتے افسوس اب تو کیفیت یہ ہے کہ خود تو کیا کرتے دوسروں کو تیار ہونے سے روکتے ہیں یہ سب علامات اس کی ہیں کہ آپ کو خدا سے تعلق نہیں رہا ہاں خدا کو البتہ تم سے تعلق ہے اپنے دلوں کو ٹٹول تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ خدا سے تعلق نہیں رہا خدا کو آپ سے تعلق ہونیکی دلیل ایک تو ان کے انعامات ہی ہیں دوسرے

ایک جگہ ارشاد بھی ہے۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم تم سے
تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) اور خدا کا قرب یہی قرب علمی و قرب
رحمت ہے اور ولا انتم اقرب الینا (تم ہم سے زیادہ قریب ہو) نہیں
فرمایا اگر کوئی کہے کہ قرب و بعد تو امور نسبیہ[ف] متکررہ متشرکہ میں سے ہیں یہ
کیونکر ہو سکتا ہے کہ انھیں ہم سے قرب ہو اور ہمیں اُن سے بُعد ہو تو اب
یہ ہے کہ قرب حسی بالمعنی اللغوی بیشک ایسا ہی ہے اور یہاں تو قرب بمعنی
توجہ کے ہے سو خدا کا قرب الی العبد من حیث التوجہ قرب عبد الی اللہ من
حیث التوجہ کو مستلزم نہیں پس وہ اشکال مرتفع ہو گیا خلاصہ یہ ہوا
کہ وہ تو ہم سے قرب میں یعنی متوجہ ہیں اور ہم ان سے بعید میں یعنی ہم
ان کی طرف توجہ نہیں۔ بالکل قلب موضوع ہے جو ان کو حق یہ ہو سکتا
تھا ہم نے کر رکھا ہے جو ہمیں زیبا بلکہ ضروری اور فرض تھا وہ انھوں نے
کر رکھا ہے اور اگر ہم میں سے کسیکو توجہ بھی ہے تب بھی اگر بے تعلقی نہیں
تو کم تعلقی تو ضرور ہے پس مسلمانوں کی ساری خرابیوں کا حاصل یہ ہے
اگر یہ دور ہو جائے تو ہماری تمام حالتیں درست ہو جاویں اسواسطے کہ
خدا تعالیٰ کی عادت مسلمانوں کے لئے یہ جاری ہے کہ ان کی دنیا ان کے
دین کے ساتھ وابستہ ہے۔

ایک مشہور شبہ کا جواب

شاید کسی کو شبہ ہو کہ دیندار مسلمانوں کے پاس دنیا کم دیکھتے ہیں اور غیر دیندار مسلمانوں کے پاس زیادہ تو سمجھ لو کہ دنیا مال و دولت کا نام نہیں

ف قرب یعنی دونوں جانب سے ہوتا ہے ۱۲

روح دنیا کچھ اور ہی ہے اور وہی دنیا سے مقصود ہے پس دنیا حقیقت وہ ہے اور وہ راحتِ قلب ہے چنانچہ اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ بھی ہو اور جائیداد بھی ہو ہر طرح کا سامان عشرت بھی مہیا ہو اور اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی معلوم ہو کہ آج کے چوتھے روز مجھے پھانسی دیدی جائیگی اب فرمائیے کہ کیا اسے اس دولت سے خوشی ہوگی کیا اسے اس سامان عشرت سے لطف میسر ہوگا کیا اسے لذیذ کھانوں میں غذا کا مزہ آئیگا۔ کیا اسے عالیشان کوٹھی میں راحت ملیگی۔ کیا خاک راحت ملیگی کیا خاک لطف وحظ آئیگا۔ اس وقت دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہوگی یہ سب کیوں۔ محض اس لئے کہ اسکے قلب کو راحت میسر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ اصل اور روح دنیا کی راحت ہے محض مال و دولت سے کچھ نہیں ہوتا اور میں بقسم کہتا ہوں کہ حقیقی راحت اہل اللہ کو میسر ہے اگر آپ کو یقین نہ آئے تو اُن کے پاس رہکر دیکھ لیجئے جس پر آپ کو رحم آرہا ہے کہ ہائے اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں جوتا ٹوٹا ہوا ہے اگر یہ شخص دیندار ہے تو واللہ یہ شخص راحت میں ہے اور نافرمان امیر اس کے مقابلہ میں مصیبت میں ہے اور واقعی خدا کے نافرمانوں کو کسی وقت میں چین نہیں ہے۔

نافرمان کی بے چینی کا راز

اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ حوادث انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے ایک مقدمہ یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ کہ زیادہ حوادث طبیعت کے خلاف

ہوتے ہیں پس جب ناگوار اور خلاف طبیعت امور پیش آتے رہیں گے تو چین کیونکر میسر ہوگا۔ روپیہ بہت ہے مگر کیا کریں کہ کہیں نیند نہ آنے کی شکایت ہے کہیں معدہ کمزور ہے عمدہ غذا نہیں کھا سکتے کبھی زکام ہے کبھی پیچش ہے کبھی بخار ہے غرض زیادہ حوادث ایسے ہی ہوتے رہتے ہیں جو پریشان کرنے والے ہیں۔ تیسرا مقدمہ یہ کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ واقعات رک جائیں یا خلاف طبع نہ رہیں اگر اس کی تدبیر کی کوئی صورت ہے تو صرف یہ ہے کہ مزاج کو ایسا کرے کہ کوئی واقعہ خلاف مزاج نہ رہے اور مزاج ایسا کس طرح ہوسکتا ہے سو وہ ٹوٹے پھوٹے بوریوں میں اور تنگ وتاریک حجروں میں ہوسکتا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو ان حجروں میں بیٹھنے سے ملتی ہے وہ محبت ومعرفت ہے۔

فرمانبرداری کی چین کی مثال

اسکو ایک مثال سے سمجھئے اگر کوئی شخص کسیکو پیچھے سے ایک دھول مارے تو کتنا غصہ آویگا اتفاق سے یہی شخص کسی عورت پر فریفتہ ہوگیا اسنے بھی ایسا ہی کیا جب تک اسکو دیکھا نہ تھا تغیر ہوا تھا مگر دیکھا تو محبوبہ ہے بس اس دھول پر نثار ہوجائیگا کہ ایسی کہاں میری قسمت اور بزبان حال کہے گا ؎

ناخوش تو خوش بود برجان من — دل فدائے یار دل رنجان من

تیری کڑی بات بھی میری روح کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ میرا رنجیدہ دل یار پر فدا ہے۔

بھلا اسکے ہاتھ سے تو بڑی بات ہے محبوب کے معائنہ میں جو تکلیف پیش

آتی ہے وہ تک ناگوار نہیں ہوتی ایک شخص کو کسی کے عشق میں اس کے ورثاء نے سو کوڑے مارے ننانوے میں تو ہنستا رہا اور اخیر کے ایک میں رو دیا لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ ننانوے میں تو میرا محبوب بھی شریک تماشا تھا اور اخیر کے چابک میں وہ چلا گیا تھا۔

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست ۔ تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

مجھے تیرے عشق کے جرم میں کھینچے لئے جا رہے ہیں اور ایک شور برپا ہے تو بھی لب بام آکر کیا ہی خوب تماشا ہے ۱۲

یہ درخواست کہ تو نیز بر سر بام آ۔ بس اسی واسطے ہے کہ خالی محبوب کے دیکھنے سے بھی تکلیف کی ناگواری جاتی رہتی ہے اسکی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا کہ قضا و قدر کے حکم پر صبر کیجیے کیونکہ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں۔

ہمینم بس کہ داند ماہرویم ۔۔۔۔۔ کہ من نیز از خریداران اویم ۔۔۔۔۔!

مجھے یہی کافی ہے کہ میرا محبوب یہ جانتا ہے کہ میں بھی اسکے خریداروں میں سے ہوں ۱۲

بس عشق اور معرفت درد کو کھو دیتا ہے محبت و معرفت عجب چیز ہے جو واقعہ محبوب کی طرف سے پیش آئے وہ ناگوار ہی نہیں ہوتا ۶

از محبت تلخہا شیریں شود۔ محبت سے کڑوی باتیں بھی میٹھی ہو جاتی ہیں ۱۲

غرض مزاج کو ایسا بنانے والی چیز محبت و معرفت ہے اسکا خاصہ ہے کہ قلب کے اندر نور پیدا ہو جاتا ہے کہ جس سے بجز محبوب کوئی چیز نظر نہیں آتی

اور یہ دو چیزیں ہیں ایک محبت ایک معرفت دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے معرفت سے تو یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کچھ پیدا ہوتا ہے اُدھر سے ہوتا ہے اور محبت اُسے خوشگوار بنا دیتی ہے معرفت کے باب میں شیخ فرماتے ہیں گلستاں میں ؎

از خدا دان خلاف دشمن و دوست　　کہ دل ہر دو در تصرف اوست

دشمن و دوست کا اختلاف خدا کی طرف سے سمجھ کیونکہ دونوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں

دریں نوع از شرک پوشیدہ است　　کہ زیدم بیازرد و عمرم بخست

اسمیں ایک قسم کا شرک مخفی ہے کہ (میں یہ سمجھوں) کہ مجھے زید نے ستایا اور عمر نے زخم پہونچایا۔

یعنی زید و عمرو کی طرف منسوب کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے جب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا پوچھا گیا ہمارے دربار میں کیا لائے اس سوال سے بہت شرم آئی کہ کیا عمل بتاؤں کہ کیا لایا ہوں اپنے نزدیک بے غبار جواب سمجھ کے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں کیونکہ یہ تو ادنی شرط اسلام ہے اس کے عرض کرنے میں کوئی دعویٰ نہیں ارشاد ہوا کہ اَمَا تَذْکُرُ لَیْلَۃَ اللَّبَنِ وہ رات بھی یاد ہے جبکہ کہا تھا کہ دودھ سے درد ہو گیا کیا منہ لے کر دعویٰ توحید کا کرتے ہو دودھ کو فاعل ٹھہرا چکے ہو کانپ اٹھے عرض کیا یا الٰہی سوائے اعتراف خطا و قصور کے اور کچھ نہیں لایا بس ایک جرح میں رہ گئے یہی توحید ہے جو معرفت کے کامل ہونے سے کامل ہو جاتی ہے پھر تو یہ حالت ہو جاتی ہے۔

موحد چه بر پائے ریزی زرش — چه فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس — ہمیں ست بنیاد توحید و بس

موحد کے پاؤں پر سونا بکھیر دو یا ہندی تلوار اسکے سر پر رکھو اسکو دونوں برابر ہیں کسی شخص سے اسکو امید وخوف نہیں ہوتا بس یہی ہے توحید کی بنیاد ۱۲ وجہ یہ کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ لوگ کر رہے ہیں کوئی اور ہی ان سے کرا رہا ہے میں ایک صندوق دیکھا ایک دیہاتی بڑھئی بنا کر لایا تھا اسکے اوپر لکڑی کی پتلیاں[1] تھیں صندوق کے اندر اس کے مشین تھی ایک تار سے پتلی میں لگا ہوا تھا جب کوک دیجاتی تھی تو سب پتلیاں حرکتیں کرنے لگتی تھیں کوئی موسل سے کوٹتی تھی کوئی چھاج سے پھٹکتی تھی کوئی عورت چکی چلاتی تھی کوئی چرخہ کاتتی تھی ایک آرہ چلا رہا تھا غرض جتنی پتلیاں اتنی حرکتیں اور ایک کنجی سے ساری حرکتیں ہوتی تھیں اسی طرح دنیا میں جو کچھ کرتے ہیں ان کی حرکت خود بخود نہیں ہے کسی اور نے وہ حرکت دے رکھی ہے جب عارف کی نظر تیز ہو جاتی ہے تو اسی تحریک کے مشاہدہ کے سبب زید وعمرو پر نظر نہیں پڑتی یہی وجہ ہے کہ بجائے اسکے کہ کسی پر غیظ آوے وہ حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ دوسرا تصرف فرما دے

(حضرت ابراہیم بن ادہم کا واقعہ)

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ تارک سلطنت ہیں ایک مرتبہ جہاز میں سوار ہوئے جہاز پر کسی امیر کے جہاں روزانہ نقلیں ہوا کرتی تھیں نقالوں نے ایک روز درخواست کی کہ اگر کوئی غریب

[1] لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تصویریں ۱۲

آدمی میسر ہو جائے تو اس سے دھول دھپا کریں اور نقل کا لطف بڑھے تمام جہانہ میں کسی اور پر تو دست اندازی کی جرأت نہوئی مگر حضرت ابراھیم ادہم رح کو غریب سمجھکر اس کام کے لئے منتخب کرکے لیگئے

این چنیں شیخے گدائے کو بکو — عشق آمد لا ابالی فاتقوا

غرض انھیں مجلس میں لے گئے اب یہ مشاہدہ غالب ہے کہ یہ لوگ خود نہیں ان سے کوئی اور ہی کھینچوا رہا ہے ہم انھیں کے ہیں وہ جس حالت میں رکھیں راضی ہیں۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

آپ اگر زندہ کریں تو آپ کی عطا ہے اور قتل کریں تو آپ پر فدا ہے۔ دل آپ کا عاشق ہے آپ جو چاہیں کریں آپ کی رضا رہے۔

اب کوئی دھول لگا رہا ہے کوئی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہے یہ اسطرح خاموش کہ گویا حس ہی نہیں جب دیر ہوگئی تو عادۃ اللہ ہے

حلم حق با تو مواسا کند — چونکہ از حد بگذری رسوا کند

حق تعالیٰ کا حلم تیرے ساتھ چشم پوشی کرتا ہے۔ جب تو حد سے گذرتا ہے تو رسوا کردیتا ہے۔

ایک دفعہ غیرت باری کو جوش آیا ارشاد ہوا اے ابراہیم انکی گستاخی حد سے بڑھ گئی۔ کہو تو سب کو غرق کردوں یہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ غرق کرنے کی جگہ ان کو آنکھیں ہی نہ دیدیجئے اور اس خرافات سے نکال ہی نہ لیجئے سبحان اللہ یہ ہے اتباع سنت جسوقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب باری میں عرض کرتے ہیں اللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر دے کہ یہ نہیں جانتے ملا دو پیازہ نے ایک آل نامہ لکھا ہے اسمیں لکھا ہے کہ الرسول خیر خواہ دشمناں۔ تو واقعی حضور خیر خواہ دشمناں ہی ہیں بہر حال حضرت ابراہیم ادہم رح نے ان کا غریق ہونا گوارا نہ کیا تو یہ کیا بات ہے کیوں نہیں غیظ ہوتا یہ اثر معرفت کا ہے اسی پر شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خوئے چو بگذشت بر عارف جنگجوئے
گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

مبارک خصلت بہلول بزرگ نے کیا ہی خوب بات کہی جب وہ ایک عارف پر گذرے جو کسی سے جھگڑ رہا تھا۔ اگر یہ مدعی[1] دوست یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچانتا تو دشمن کے جھگڑے میں نہ مشغول ہوتا ۱۲

یعنی اگر اس کو دوست کی معرفت ہوتی تو دشمن سے لڑنے کی فرصت ہی نہ ہوتی اب معلوم ہوتا ہے کہ فرصت ہے یہ لڑائی اسے ہی زیبا ہے جسے دوست کا مشغلہ نہ ہو ورنہ ؎

دیدہ از دیدنش نگشتے سیر ہمچناں کز فرات مستسقی

آنکھ اس کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتی جسطرح استسقاء کے مریض کو نہر فرات سے سیرابی نہیں ہوتی۔

---

[1] مدعی اصطلاح تصوف میں وہ شخص ہے جو دعوے تو بہت کرے اور حقیقت سے ناواقف ہو۔

کیا یہ تھوڑا کام ہے اسے فرصت کہاں مل سکتی ہے غرض یہ اثر تو معرفت کا[1] ہے کہ یہ حادث واعِ حقیقی[2] کے تصرف سے ظاہر ہوا ہے۔ اور یہ حدود عمر واسطہ محضہ ہیں اور محبت سے یہ ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی ناگواری اڑ جاتی ہے۔

معرفت بلا محبت کی خرابی

سو دونوں ہی کی ضرورت ہے کیونکہ زمی معرفت ہو اور محبت نہ ہو تو سب سے زیادہ دریائے ہلاکت میں ایسا عارف ہی ڈوبے گا مثلاً کوئی مر گیا تو عارف صاحب جانتے ہیں کہ خدا نے مارا طاعون نے نہیں مارا پس اگر محبت نہ ہونے کے سبب یہ واقعہ ناگوار ہوا تو یہ عارف بجائے طاعون کے خدا کی شکایت کریگا تو نری معرفت ہلاکت ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں دونوں باتیں میسر ہو جاتی ہیں تو صحبت کے بعد جبکہ معرفت و محبت دونوں دولتیں عطا ہو گئیں تو اب جو واقعہ پیش آئیگا معرفت کے سبب خلق سے ناگواری نہ ہوگی اور محبت کے سبب خالق سے ناگواری نہ ہوگی چاہے کتنا ہی عظیم حادثہ ہو مگر یہ خوش ہیں کہ ؎

ہر چہ از دوست می رسد نیکو ست ۛ جو کچھ دوست سے پہنچتا ہے اچھا ہی ہوتا ہے

حقیقی آسائش اُسے کہتے ہیں مصیبت سے اور لوگ گھبراتے ہیں اور یہ اُس سے خوش ہوتا ہے اجی اور تو اور موت جو کہ تمام مصیبتوں کا میزانُ الکل[3] ہے اور جس سے سب لوگ گھبراتے ہیں حتی کہ بعض سلاطین نے اپنے قلعہ میں خضر

---

[1] واقعہ [2] حق تعالیٰ [3] خلاصہ

دروازہ ایک ایسے دروازہ کا نام رکھا تھا جسمیں سے خاندان شاہی کے جنازوں کو نکالا جاتا تھا تو موت کا نام لینے سے گھبراتے تھے کسی لڑکی نے ایک بڑھیا کو کہا کہ مرتی بھی نہیں تو اس بڑھیا نے اپنی ایک ساتھن سے جاکر بطور شکایت کہا کہ سنا بھی فلاں مجھکو یوں کہتی تھی کہ اے بڑھیا تو یوں ہو بہا پھر وہ بڑھیا کیا کہتی ہے اے اللہ میاں سنیو مت۔ کمبخت احمق اگر اللہ میاں یہ تیری سنیں گے تو وہ اسکی بھی سنیں گے ورنہ یہ کہاں سے سنیں گے تو موت سے بڑھیاں بھی گھبراتی ہیں غالباً مولانا جامیؒ نے لکھا ہے کہ ایک بڑھیا کی لڑکی جس کا نام مہستی تھا بہت بیمار تھی جب اسکی حالت زیادہ غیر ہوئی تو بڑھیا نے رو رو کے دعا کی اے اللہ اسے اچھا کردے اور اسکے بدلے مجھے موت دیدے ایک دن شام کے وقت اسکی گائے کسی امیر کے باورچیخانہ میں جا گھسی اور ایک پتیلہ میں منہ ڈالدیا پھر نکال نہ سکی اسی ہیئت سے وہ اپنے گھر آگئی

...... بڑھیا نے اس ہیئت سے کبھی اسکو دیکھا نہ تھا سمجھی کہ میری دعا قبول ہوگئی اب یہ عزرائیل آگئے بس گھبرا کے لڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہتی ہے اے موت یہ ہے اسے لیجاؤ ؎

گفت اے موت من نہ مہستی ام ‏ پیرزال غریب محنتی ام.....!

بڑھیا نے کہا اے موت مہستی نہیں ہوں میں تو ایک غریب محنتی بڑھیا ہوں ۱۲

غرض لڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگی دیکھ یہ ہے میں نہیں ہوں

موت کا نام آتے ہی بس بیٹی کی محبت فنا ہو گئی۔ پہلے کانپور میں ایک عجیب و غریب واقعہ ہوا۔ ایک لڑکے کو سرسام ہو گیا تدبیریں کی گئیں مگر کچھ افاقہ نہ ہوا لوگ یہ سمجھے کہ مر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آ گیا۔ ماں سمجھی کہ یہ بھوت ہو گیا تو اب اس کے لئے تعویذ گنڈے کراتی پھرتی ہے کہ کسی طرح مر جاوے اگر کسی موقعہ پر مردہ اہل مجلس کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہدے تو سب ڈر کے مارے بھاگ جاویں تو یہ موت جو کہ لوگوں کے نزدیک اتنی بڑی مصیبت ہے کہ راس الکل ہے تمام مصائب کی مگر اسکی حقیقت ان عارفین محبین کے نزدیک کیا ہے یہ ہے کہ اسکے شوق و تمنا میں عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم — راحت جاں طلبم و زپے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے — تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

وہ دن کیا ہی خوب ہے کہ اس دنیا سے میں جاؤں گا۔ روحانی راحت تلاش کروں گا اور محبوب کے پیچھے جاؤں گا۔ میں نے منت مانی ہے کہ اگر یہ غم (دنیوی زندگی) جس دن ختم ہو جائے گی تو میکدہ (جنت) کے دروازہ تک خوش و خرم غزل پڑھتا ہوا جاؤں گا۔

فقط خرم ہی نہیں منت بھی مانتے ہیں کیا ٹھکانا ہے ان کے نزدیک موت کی حقیقت ہے کہ تمنا کرتے ہیں شاید کوئی یہ کہے کہ یہ فرصت کی باتیں ہیں مرتے وقت یہ حالت رہے تو جانیں اس وقت تو نانی یاد آتی ہوگی تو لیجئے ایک بزرگ عین حالت نزاع میں مسرور ہو کر فرماتے ہیں ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم | جسم بگذارم سراسر جاں شوم

وہ وقت آگیا کہ میں قید بدن سے آزاد ہو جاؤں اور جسم (عنصری) چھوڑ کر سراسر جان وروح ہو جاؤں ۱۲

خوش ہو رہے ہیں کہ الحمد للہ اس جیلخانہ سے چھوٹنے کا وقت آگیا بلکہ اُن کی مسرت کی تو یہ کیفیت ہے کہ بعض بعض سے بطور خرقِ عادت[*] بعد موت بھی مسرت کے آثار ظاہر ہوئے ہیں یا قرائن سے مسرت بعد الموت کا پتہ لگتا ہے چنانچہ ایک بزرگ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کے ساتھ یہ شعر پڑھتے چلیں۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو | شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما | آفریں بر دست و بر بازوئے تو

ہم مفلس آپ کے کوچہ میں آئے ہیں للہ اپنے خیالی رُخ سے کچھ نظارہ کرا دیجیے۔ ہماری زنبیل طلب کی جانب ہاتھ بڑھائیے آپکے ہاتھ و بازو پر آفریں۔

آخر کیا بات ہے اور میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ جب سلطان نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ لے کر چلے تو ان کے ایک عاشق زار کی زبان سے شدتِ غم میں بیساختہ نکلا

۵

سرو سیمینا بصحرا می روی | سخت بیمہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہِ عالم روئے تو | تو کجا بہرِ تماشا می روی

---

[*] خلافِ عادت بطور کرامت ۱۲

اے محبوب تم جانب صحرا (قبرستان) جا رہے ہو بہت بے مروت ہو کر بلا ہمارے جا رہے ہو، اے وہ ذات کہ دنیا اس کے رُخِ انور کا تماشا دیکھنے کیلئے آئی تھی تم کہاں تماشا دیکھنے جا رہے ہو۔

تو لکھا ہے کہ کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہوا جیسے وجد میں ہوتا لوگوں نے انھیں پڑھنے سے روکا تو مرنے کے بعد بھی یہ حالت ہوتی ہے اسکی وجہ کیا ہے صرف یہ کہ مرنے کے وقت کو وہ زمانِ وصال سمجھتے ہیں اس لیئے اس کی تمنا کرتے ہیں جیسے جامی رح فرماتے ہیں ؎

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

وہ کیا ہی اچھا وقت اور مبارک زمانہ ہے کہ دوست دوست کی ملاقات سے نفع اٹھائے یعنی وصلِ یار نصیب ہو۔

ایک بزرگ طاعون کو خطاب فرماتے ہیں خُذْنِی اِلَیْکَ[1] اس موقعہ پر مجھے عراقی کا شعر یاد آتا ہے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دشمن کا نصیب ایسا نہ ہو کہ تیرے تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت ہے تاکہ تو خنجر آزمائی کرے یعنی قتل کیلئے دوستوں کا سر حاضر ہے

پس موت کے سامنے ان کی یہ حالت ہے معرفت و محبت ...

خلاصہ یہ کہ جس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے اس کو دنیا میں کوئی پریشانی ...

[1] مجھے اپنی طرف کھینچ لے ۱۲

نہیں ہوتی۔ اور آخرت میں وعدہ صادقہ ہے جنت کا

اہل حال کیلئے عجیب تحقیق

اور اگر جنت بھی چند روز گناہوں کے سبب نہ ملے
تب بھی آخرت کی تکلیف مومن کے لئے دنیا کی راحت سے افضل ہے کیونکہ اس تکلیف کے انقطاع کی ہر وقت یقینی امید اور یہاں کی راحت کے زوال کا ہر وقت یقینی خوف۔ اور ان مضامین کا اکثر حصہ حال سے سمجھ میں آسکتا ہے نرے قال سے نہیں یوں تو طوطا بھی نبی جی بھیجو سیکھ لیتا ہے۔ مگر جب بلی آکر دباتی ہے تو ٹاں ٹاں ٹاں، اور حال میسر ہوتا ہے۔ اہل حال کی صحبت میں پس اسکا بھی اہتمام کرو لوگ کہتے ہیں اب اس شان کے بزرگ نہیں رہے تو کسکی صحبت اختیار کریں، سو یہ خیال بالکل غلط ہے ایسے بندگان خدا اب بھی موجود ہیں لیکن ایک دن میں نظر نہیں آسکتے" اگر کسی کی آنکھ آج ہی بنی ہو تو نظر ضعیف ہوگی۔ تھوڑی دور کی چیزیں دکھائی دیں گی چار دن کے اور آگے نظر آئے گا۔ تو نظر تو ہے مگر اول دن اس لئے نظر نہیں آتا کہ ضعیف ہے۔ ہاں سرمہ ہو تو نظر آوے وہ سرمہ بھی انھیں کی صحبت ہی ہے کہ جس سے نظر آجاوے گا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں رسوم کو اور محققین کے یہاں رنگے کپڑے ہوں نہ ایسی موٹی تسبیح ہوگی کہ ہضیار کا کام دے جیسا ایک شاہ صاحب کہتے تھے کہ تسبیح ایسی تو ہو کہ لاٹھی کا کام دے غرض ان کے یہاں نہ

کوئی گنبد دار مزار ہے نہ رسوم ہیں کہ نیاز ہو رہی ہے عرس ہو رہا ہے یہ کچھ بھی نہیں بس ایک چیز ہے کہ ع یکے داں یکے خواں یکے بیں؛ ایک کو جانو اسی ایک کو پڑھو اسی ایک کو دیکھو۔

اُن کا یہ مذہب ہے ؎

خلیل آسا در ملک یقیں زن نوائے لا احبُّ الآفلیں زن

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح ملک یقین کا دروازہ کھٹکھٹا یعنی یہ آواز لگا کہ میں ان معبودان باطل سے تعلق نہیں رکھتا،

ان کے یہاں اور تو کوئی کیا چیز ہوتی وہ خود بھی نہیں رہے

بحال تہی دست باید گریستن کہ تا نقد دل ہم بہ چنگے ندارد

اس خالی ہاتھ کے حال پر رونا چاہیے۔ جو نقد دل بھی قبضہ نہیں رکھتا ہے یعنی جس کا دل بھی قابو میں نہیں ہے۔۱۲۔

اور وہ اپنی ہستی کیسے نہ مٹاتے جبکہ ان پر محو کرنے والی تجلی ہو رہی ہے جسکی خاصیت ہی یہ ہے۔

چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد

جب صاحب عزت بادشاہ تجلی فرماتا ہے تو دنیا عدم کے گریبان میں سر چھپا لیتی ہے۔ معدوم ہو جاتی ہے۔ ؎

اگر آفتاب ست ایک ذرہ نیست

دگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

اگر آفتاب تھا تو اب ذرہ برابر بھی نہیں اور اگر سات سمندر تھے تو اب ایک قطرہ بھی نہیں

تو اگر صحیح شناخت ہو تو اللہ کے بندے ایسے ایسے نظر آویں گے کہ ان کی صحبت میں تمہاری نگاہ تیز ہو جائے گی۔ ان کی صحبت اختیار کرو تو کھلی آنکھوں نظر آجائیگا کہ معرفت و محبت کیا چیز ہے اور یہ کہ حقیقی آسایش اہل معرفت و محبت ہی کو حاصل ہے۔ انھیں کی شان میں ہے

مبیں حقیر گدایان عشق را کایں قوم ؎ شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

عشق کے بھکاریوں کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو کیونکہ یہ لوگ بے پٹکے کے بادشاہ اور بے تاج کے سلطان ہیں

اور یہ امر واقعی ہے نری شاعری نہیں ہے یہ انکی حالت ہے مشاہدہ کر لو ان کے اقوال و افعال میں واقعات کے وقت غور کرو کہ انکی کیا کیفیت ہے ہر وقت ان کا مذہب یہ ہے ؎

سوئے نومیدی مرو کامیدہاست سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

ناامیدی کیطرف جاؤ بہت امیدیں ہیں۔ اندھیری کیطرف مت جاؤ بہت سے سورج موجود ہیں۔

دنیا دار کا ایک ذرا سا بچہ بیمار ہو جاتا ہے تو تیمار دار بدحواس ہو جاتے ہیں وہاں اگر سب کے سب فدا ہو جائیں تو بھی کچھ پروا نہیں۔

ایک صحابیہ کا واقعہ ایک غزوہ میں ایک بی بی کے شوہر اور بچے باپ سب کام آگئے کسی نے کہا کہ تمہارا باپ بھائی بچے سب مارے گئے تو وہ کہتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی سلامت ہیں کہا ہاں کہنے لگی جب آپ سلامت

ہیں تو مجھے کسی کے کام آنے کی کچھ پروا نہیں ؎

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

کیونکہ میرے والد اور والدہ اور میری عزت یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو تم سے بچانے والے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

تجلیات بسط اگر گئیں تو کہدو کہ جانے دو تو ہمارے پاس آ وہ ذات کہ جسے بڑھکر کوئی پاک وصاف نہیں ہے ۱۲۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صحابہ کرام کو کسقدر قلق ہوا کہ ہم میں سے اگر کسی کو اس درجہ کا قلق ہو تو دیوانہ ہوجائے مگر خدا کے زندہ رہنے کے مضمون سے تسلی ہوگئی جب آپ کی وفات ہوئی ہے تو حضرت عمرؓ کمال حزن میں فرما رہے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ وفات ہوگئی تو قتل کردوں گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تو حضرت عمرؓ کی تسلی ہوگئی اور فرمایا کہ میں اسقدر اس آیت کو بھولا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی نازل ہوئی ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی مگر خدا زندہ ہے مجھے صحابہؓ کی اس حالت پر ایک حکایت یاد آئی۔ میرے ایک دوست ہیں ہم وطن

بھی ہیں یہ بہت ہی خوف زدہ ہو کر اپنی حالت بیان کرنے لگے کہ مجھے
جتنی حق تعالیٰ سے محبت ہے اتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے۔ میں نے
کہا کچھ پریشانی کی بات نہیں کہ تمہاری یہ حالت خود رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے مشابہ ہے تم بالکل متبع سنت ہو کہ محمد کو خود محمد سے اتنی
محبت نہ تھی جتنی خدا سے تھی۔ شگفتہ ہو کر دعائیں دینے لگے صحابہ کی
بھی یہی کیفیت تھی تو حضرت اتنے بڑے واقعہ پر صحابہ کا صبر کرنا محض
اسی وجہ سے تھا کہ حی لایموت تو ہے اسی سے انہیں غم مہلک نہیں ہوا رنج
قاتل نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ نے اسباب مصیبت کا ایک معالجہ بھی
کیا ہے یعنی جب کوئی حادثہ پیش آئے تو صبر و سکون کا علاج بتلاتے
ہیں اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ دو طرح کی
تعلیمیں فرمائی ہیں ایک خواص کے لئے اور ایک عوام کیلئے انا للہ ہم
خدا کے ہیں یہ خواص کے لئے ہے کہ جب اپنے کو خدا کا سمجھیں گے تو
اس کے ہر تصرف کو خوشی سے گوارا کریں گے وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔
اور ہم اسی کی طرف لوٹیں گے یہ دوسروں کے لئے ہے اسطرح
ہے کہ جب سب وہاں جا رہے ہیں تو سب جمع ہو کر مل جاویں گے وہ
شخص مفقود بھی مل جاوے گا جیسا کہ اگر کسی کا کوئی عزیز حیدر آباد
میں وزیر اعظم ہو جائے تو تم آیا یہ چاہو گے کہ وہ ہمارے پاس چلا
آئے یا یہ چاہو گے کہ ہم بھی وہیں پہونچ جائیں۔ بس یوں سمجھو کہ جو مرا
وہ حیدر آباد پہونچا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی حکایت

ہمارے حضرتؒ کے پاس ایک بڈھا آیا کہ حضرت دُعا فرما دیجئے بیوی بہت بیمار ہے جان بلب ہے۔ تندرست ہو جائے۔ فرمایا کہ بھائی مرتی ہے مرنے دو خدا کا شکر کرو کہ ایک مسلمان جیلخانہ سے چھوٹتا ہے۔ جہاں وہ جاتی ہے تم بھی پہنچ جاؤ گے۔ میں نے کہا لو! بڑے میاں آئے تھے بیوی کو بچانے اپنے مرنے کی بھی بشارت لے چلے۔ لو اور آؤ دُعا کرانے پھر کہنے لگا حضرتؒ اگر وہ مرجائیگی تو میری روٹی کون پکائیگا۔ فرمایا ہاں جی وہ ماں کے پیٹ سے روٹی ہی پکاتی تو آئی تھی۔ اللہ اکبر ہر امر میں حقیقت پر نظر تھی غرض جب نظر معرفت کی کامل ہو جائیگی پھر پریشان ہو اسکی بلا، بہرحال یہ آثار تھے تعلق کے اور بے تعلقی کے کہ بے تعلقی سے دونوں جہان کی مصیبتیں وابستہ ہیں افسوس ہے کہ اسکے بعد بھی ہمکو فکر نہ ہو اور اگر فکر ہے تو سنو حق تعالیٰ اسی کا طریق بتلاتے ہیں۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ بلٰی میں رد ہے اہل باطل کے ایک غلط دعویٰ کا کہ جسکے متعلق رد سے پہلے ارشاد ہے تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ ان کی آرزوئیں ہیں دعویٰ یہ تھا کہ ہم ہی جنت میں جاویں گے پہلے اسکو اسطرح رد فرمایا کہ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ ان کی آرزوئیں ہیں کہ بجز ان کے اور لوگ جنت میں نہیں جاویں گے آگے ارشاد ہوا بلٰی یعنی کیوں نہیں جاویں گے پھر اسکی دلیل قاعدہ کلیہ کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں مَنْ اَسْلَمَ

وجہہ للہ الخ جو شخص سپرد کردے اپنی وجہ یعنی ذات کو خداوند تعالیٰ کے لئے اس حال میں کہ وہ محسن ہو ان کا اجر اللہ کے پاس ہے نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ ترجمہ ہوا یہاں حق تعالیٰ نے اس عمل منجی کو اسلام سے تعبیر فرمایا اسکی تفصیل سمجھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ کیا چیز ہے سو ہمارے روشن خیال حضرات کے نزدیک اسکی حقیقت ایسی چیز ہے کہ نہ اسمیں کچھ مامورات ہیں نہ منہیات انکی کیفیت یہ ہے کہ ان کو کسی منہی عنہ سے منع کرو تو کہتے ہیں کیا اس سے ایمان جاتا رہا۔ مولویوں نے خوامخواہ تنگی کردی ہے اجی اسلام بہت وسیع چیز ہے وہاں ایسے افعال کا کیا اثر بس لا الہ الا اللہ کے قائل ہوگئے اور اسلام کامل ہوگیا نہ کسی فعل سے اسمیں نقصان آتا ہے نہ کسی عقیدہ سے اسمیں خلل آتا ہے اس کے لئے ایک حدیث یاد کر رکھی ہے۔

من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

سبحان اللہ اچھا ستہ نکالا کہ لا الہ الا اللہ کہہ لیا بس کافی ہے اب اور اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ بیشک حدیث صحیح ہے مگر جو مطلب آپ سمجھے وہ اسکا مطلب ہی نہیں۔

حدیث مذکور کی شرح ایک مثال سے | اسکا یہ مطلب ایک دیہاتی

ل نجات دینے والا کہ نیکی باتیں کہ منع کرنیکی باتیں ۱۲

مثال میں سمجھئے۔ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرلے قاضی صاحب پوچھے تم نے قبول کی وہ کہے قبول کی لیجئے نکاح ہوگیا یہ میاں یوں سمجھے کہ عورت ہاتھ آئی خوب چین کریں گے یہ خبر نہ تھی کہ تھوڑے دنوں میں لدنا پڑے گا جسکی حقیقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کسی کے پوچھنے پر خوب فرمائی ہے۔ سُرُورُ شَهْرٍ ایک مہینہ کی خوشی پھر پوچھا ثُمَّ مَاذَا یعنی پھر کیا ہوتا ہے فرمایا لُزُومُ مَهْرٍ یعنی مہر لازم ہو جاتا ہے۔ پوچھا ثُمَّ مَاذَا۔ فرمایا غُمُومُ دَهْرٍ یعنی تمام زمانہ کے رنج وغم۔ پھر پوچھا ثُمَّ مَاذَا فرمایا کُسُوْرُ ظَهْرٍ یعنی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ غرض میاں ایک ماہ نوشہ رہے خوب عزت شاہی دعوتیں ہوا کیں اسکے بعد ماں باپ نے الگ کردیا اب گھر کرنے بیٹھے اب وہ غموم دہر میں مبتلا ہوئے الگ ہونے وقت ماں باپ نے ایک ماہ کا غلہ وغیرہ دیدیا تھا مہینہ بھر تک وہ کھاتے رہے جب وہ ختم ہوگیا اب بیوی نے کہنا شروع کیا کہ غلہ لاؤ۔ گھی لاؤ۔ کپڑا بناؤ وغیرہ وغیرہ یہ لاؤ وہ لاؤ تو آپ کہتے ہیں بی تو پاگل ہوگئی ہے۔ کیسی لکڑی کیسا غلہ کیسا گھی، میں نے ان چیزوں کی کہاں ذمہ داری کی ہے۔ اسنے کہا آخر تم نے ایجاب قاضی پر کہا تھا کہ میں نے قبول کی وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ میں نے غلہ وغیرہ بھی قبول کیا میں نے تو فقط تجھے قبول کیا تھا نہ میں نے آٹا قبول کیا نہ لکڑی

قبول کی غرض جھگڑا اسقدر بڑھا کہ محلہ کے عقلاء فیصلہ کرنے کے لیئے جمع کیئے گئے ان میں آپ بھی ہوں۔ اب آپ بتایئے کہ کیا فیصلہ کریں گے کیا یہ فیصلہ نہ کریں گے کہ روٹی کپڑا سب اس سے دلائیں گے اور کہیں گے کہ اے احمق بیوی کا قبول کرنا اسکی تمام ضروریات کا قبول کرلینا ہے اسکے لیئے کسی مستقل معاہدہ کی ضرورت نہیں۔

بس لا الہ الا اللہ کے بھی یہی معنیٰ ہیں۔ اب ذرا سنبھل کر کہیئے گا بس اسی مختصر کلمہ نے تمام باتوں کو لے لیا ہے لہذا جب وضع خلاف شرع ہو گی تو ایک جزو لا الہ الا اللہ کا چھوٹا تو مولوی اہل محلہ کے مثل ہیں اور یہ اسی نادان کے مثل ہے جو کہتا ہے کہ میں نے تو لا الہ الا اللہ کہا تھا یہ کہاں کا جھگڑا نکالا کہ وضع خلاف شرع نہ رکھو، داڑھی مت منڈواؤ یا مت کٹاؤ موچھیں مت بڑھاؤ نماز پڑھو روزہ رکھو۔

اب تمہارے ہی اجلاس میں میں فیصلہ کراتا ہوں کہ کیا مثال مذکور کیطرح اس شخص کا فقط لا الہ الا اللہ کو کافی سمجھنا صحیح ہے ذرا بھی عقل سلیم ہوگی تو کون کہے گا کہ صحیح ہے یہ تو اسلام کا ست نکالا کہ لا الہ الا اللہ کہہ لو بس کافی ہے۔ بس یہ اسلام کی حقیقت بنا دی اسی سے کہتے ہیں کہ اسلام بہت وسیع ہے یہ تو امت جدیدہ کا مذاق تھا اب قدیم مذاق والوں کو لیجئے ان میں

جو بڑے دیندار کہلاتے ہیں انھوں نے یہ کیا کہ نماز روزہ کر لو جو رو قصور کا اعتقاد کر لو بس اسلام اسی میں منحصر ہو گیا آگے رہے معاملات جذبات، اخلاق، تہذیب، معاشرت، تمدن اسکو سمجھا کہ اسلام میں تو ہے ہی نہیں پھر یا تو انکو مطروح کر دیا اور اگر کسی نے ان کا اہتمام کرنا چاہا تھا تو بس غیر قوموں سے اپنا شروع کر دیا افسوس ہمارے گھر کیا نہ تھا جو دوسروں سے دریوزہ گری کی گئی ہماری آپ کی بس یہ مثال ہے ؎

یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

ایک ٹوکرا روٹیوں کا سر پر ہے مگر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اجی اتنی روٹیاں ہیں کہ اوروں کو بھی دے سکتے ہو آج جو متمدن قومیں ہیں ان کا اعتراف ہے کہ ہم نے سب اسلام سے سیکھا ہے مگر مسلمان ایسے بے خبر ہیں کہ اپنا گھر چھوڑ کر پرائے در پر جاتے ہیں اسی مثال مذکور کا تتمہ ہے ؎

تا بزانوئی میاں جوئے آب وز عطش وز جوع گشتستی خراب

گھٹنے تک پانی ہے مگر اس سے غافل ہیں اور پیاس کے مارے غل مچا رکھا ہے بس یہ حالت ہے اسلام کی حقیقت سمجھنے والوں کی سو اس آیت میں حق تعالیٰ نے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اپنے کو خدا کے سپرد کر دینا جس کا حاصل وہی تعلق مع اللہ نکلا ہے جو تمہید میں بیان کیا گیا ہے ہاں ایک غلطی اور

ے ختم ے بھیک مانگنا

ان نئے محققین کی حقیقت اسلام کے متعلق یاد آئی ایک صاحب کہنے لگے کہ مسلمان ہونے کیلئے صرف توحید کافی ہے اعتقاد رسالت کی ضرورت نہیں۔ یہ زہرآلود عقیدہ ایک قریب کے ضلع سے نکلا ہے میں نے کہا اگر توحید کا عقیدہ کافی بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی وہ عقیدہ توحید کا بدون اعتقاد رسالت متحقق نہیں ہوتا وجہ یہ کہ توحید کی حقیقت خدا کی ذات وصفات میں کامل سمجھنا ہے اور منجملۂ صفاتِ باری تعالیٰ صدق بھی ہے اگر کوئی (معاذ اللہ منہ) خدا کو جھوٹا سمجھے تو وہ بوجہ انکار صفت کمال صدق کے توحید کا منکر ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ یہ کہ خدا نے ہمیں خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ تو جس نے دل سے اسکا یقین نہ کیا اس نے خدا کو جھوٹا جانا تو وہ توحید کا بھی منکر ہوا۔ جواب کے واسطے دس برس کی مہلت ہے اس کے بعد ان صاحب کی حالت اچھی ہو گئی الحمد للہ۔ بات یہ ہے کہ اونٹ جب پہاڑ تلے سے نکلے اپنے کو بہت بڑا سمجھتا ہے تو اصل میں انھیں کوئی ان کے مذاق کا جواب دینے والا نہیں ملا تھا اس لیئے ان کے دماغ میں یہ سمائی تھی کہ میں بڑا ہوں۔

بڑے پر ایک لطیفہ

گو ایسے بڑے پیسے کے آٹھ آٹھ بکتے ہوں بس اتنا فرق ہے کہ وہ تر بڑے ہیں یہ خشک بڑے ہیں بلکہ ایک شخص کا قول ہے کہ آجکل

کے بڑے بڑیاں ہیں بڑے نہیں خیر یہ تو لطیفے تھے اصل میں بڑائی میں بڑی خرابی ہے مگر افسوس آجکل کے محقق اسی کی تعلیم دیتے ہیں خودداری جسکا نام ہے یہ بھی وہی بڑائی ہے افسوس یہ اسی شاخ کو تازہ کر رہے ہیں جسکی جڑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاٹی ہے۔ جانتے ہو خودداری کا بانی کون ہے شیطان ہے جسنے آٹھ لاکھ برس عبادت کر کے جب اس کو ارشاد ہوا اسْجُدُوا لِآدَمَ آدم کو سجدہ کرو تو یہ قصہ ہوا کہ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ کہ سبنے تو سجدہ کر لیا اور یہ کہتا ہے کہ میں نہیں کرتا اس واسطے کہ مجھے عنصر اعلیٰ یعنی آگ سے بنایا ہے اور آدم کو عنصر ادنیٰ یعنی خاک سے بنایا ہے غرض یہ اصول خودداری اسی نے ایجاد کئے ہیں جو اس کے وارثوں کو میراث میں پہنچے ہیں اور انبیاء کے وارثوں میں یہ بات کہاں سے آئی ان کی یہ میراث ہے کہ

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ — جو اللہ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اُسے بلند کرتا ہے (قرآن کریم)

سو وہ اپنے کو بڑا نہیں سمجھتے اور واقعی اگر کوئی بڑائی کرنے بھی لگے تو ہماری بڑائی ہی کیا ہے

زخاک آفریدت خداوند پاک — پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
ترا با چنیں تندی و سرکشی — نہ پندارم از خاکی یا آتشی

تجھکو خداوند پاک نے مٹی سے پیدا کیا ہے سو اے بندہ مٹی کی طرح عاجزی

کرنا چاہیے (لیکن اس کے برخلاف) تجھمیں ایسی تیزی اور سرکشی ہے کہ تجھکو یہ ہی پتہ نہیں چلتا کہ تو مٹی سے پیدا ہے یا آگ سے بنا ہے دنیا میں تین چیزیں ایسی ہیں جن پر آدمی بڑائی کر سکتا ہے۔ ایک مال۔ دوسرے جمال تیسرے کمال۔ بس یہ تین چیزیں ہیں بڑائی کی۔ سو مال پر تو کیا بڑائی کسی چور کو ذرا ہمت ہو جاوے ایک دن میں ساری بڑائی چھکڑوں پر لاد کر لیکر چلدے۔ اب رہا جمال خدا بھلا کرے بخار کا کہ دو ہفتہ میں چڑیل بھوت کی شکل بنا دیتا ہے پھر اپنی صورت سے آپ ہی شرم آنے لگتی ہے۔ رہا کمال تو تمام کمالات کا مدار ایک دماغ پر ہے دماغ پر کوئی آفت آجاوے پیچھے وہ بھی گیا بے حشر ہے بڑائی کا یہ بڑائی عقل کے بھی تو خلاف ہے یہ تو دنیا کی بڑائی تھی بعض کو دین کی بڑائی کا زعم ہو جاتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ دیکھا اور اجتہاد شروع کر دیا ترجمہ سے بدون حقیقت شناسی کے اجتہاد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کسی شخص نے گلستاں کا لفظی ترجمہ دیکھکر اجتہاد کیا تھا اسمیں یہ شعر دیکھا تھا کہ ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست　　در پریشاں حالی و درماندگی!!

دوست وہ ہے جو دوست کا ہاتھ پریشانی کی حالت اور عاجزی میں پکڑے ان کو ایک جگہ ان کے دوست پٹتے ہوئے مل گئے مگر وہ بھی کچھ کچھ ہاتھ پاؤں چلا رہے تھے آپ نے اس دوست کے دونوں ہاتھ

پکڑ لیے بس خوب پٹے اس نے بعد میں پوچھا یہ کیا حرکت تھی
تو آپ فرماتے ہیں ؎ دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
دست کا ترجمہ دیکھ لیا غنیمت ہے ورنہ دوست کے پاخانہ کا دست
اٹھا کر لایا کرتے

ایسے ہی اجتہاد سے ان لوگوں نے دین کی گت بنائی ہے ایک
دوسرے مجتہد صاحب نے فخراً بیان کیا کہ جب روز پرچے آئے تھے
امتحان کے ہم نے تو نماز میں قصر کیا تھا کہ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ
اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ ۔ تم پر گناہ نہیں اگر تم
نماز میں قصر کرو جب کہ تمہیں خوف ہو۔ ہم کو جواب صحیح نہ لکھے
جانے کا بڑا خوف تھا۔ اس لئے ہم نے قصر کیا۔ ایک دوست
وہاں موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ کیوں صاحب جو معلول متعدد
ہو دو شرطوں کے ساتھ وہ کیا ایک شرط کے تحقق سے متحقق
ہو جاتا ہے انہوں نے کہا نہیں انہوں نے کہا کہ آپ نے تو اس کی
آیت پوری نہیں پڑھی لیس علیکم سے پہلے اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی
الْاَرْضِ بھی ہے کہ پہلے تم زمین میں سفر کرو۔ پھر خوف تھا مگر
آپ نے سفر کون سا کیا تھا۔ بس ہو چکا۔ اجتہاد آپ سمجھے تھے اور
کھولی اس کی قضا کیجئے تھے پہلے بالنص اقرار غلطی کا کیا۔ یہ
سمجھ مجتہدوں کی۔ ایک صاحب نے کہہ دیا کہ سود حرام ہی نہیں اور
کہا کہ الرِّبٰوا میں یہ لفظ ربوا بکسر را نہیں ہے بلکہ ربا

بضم رار ہے جسکے معنیٰ لوٹ مار کرنے اور اچک لینے کے ہیں۔ پس جو ماں لوٹ کر لیا جائیگا وہ حرام ہوگا ان مجتہد صاحب کو یہ بھی خبر نہیں کہ کہاں رُبا جو ربودن فارسی سے مشتق ہے اور کہاں عربی قرآن اگر ایسے ہی مجتہدین ہوں گے تو پھر دین کا خدا حافظ ہے ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند   ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

بلی کو بادشاہ بنا دیا اور کتے کو وزیر اور چوہے کو دیوان کر دیا ان جیسے ارکان دولت ملک ویران کر دیں گے۔

اگر ان کے قبضہ میں اسلام ہوتا تو خدا جانے یہ کیا گت بناتے مگر وہاں تو ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، خدا تعالیٰ نے خود حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور واقعی عجیب طرح حفاظت فرمائی ہے کہ ایسی بے سر و سامانی کی حالت میں علماء تیار ہوتے ہیں کہ آج کوئی چیز علم دین کی طرف رغبت دلانے والی نہیں ہے یہ ادھر ہی کی حفاظت ہے کہ باوجود اس ناقدری کے پھر بھی اللہ کے نیک بندے اسطرف متوجہ ہوتے ہیں بس جب وہ خود محافظ ہیں تو پھر بھلا کون دین کو مٹا سکتا ہے ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد   ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن فرماتے ہیں اس کو بجھانے کیلئے جو پھونک مارتا ہے اسکی داڑھی جلا دیتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ ہمارے پاس ریش ہی نہیں تو ہم اسکے لئے کہیں گے

ع ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد ✽ یہ خرابیاں ہیں اپنے کو دین میں بڑا سمجھنے کی۔ اور کسی اخبار میں چھپا تھا کہ زمانہ مقتضی ہے کہ مذہب سب روئے زمین کے لوگوں کا ایک ہو یہ مختلف فرقے آریہ عیسائی شیعہ سنی کچھ نہ رہیں پھر وہ کونسا مذہب ہو سو اگر مذاہب موجودہ میں سے کوئی مذہب تجویز کیا جائے تب تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے اس لئے نہ تو سب مسلمان ہو سکتے ہیں نہ ہندو نہ عیسائی کیونکہ اسمیں تو پھر وہی اختلاف ہوگا پس اسکی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تھوڑا تھوڑا رعایت تمام مذاہب کی رکھی جاویگی اسطرح سے کہ اصل مذہب تو توحید کو قرار دو اور باقی سب مذاہب کے اجزاء کو فروع قرار دیکر ہر ایک کو اسکی حالت پر رہنے دو اور کسی سے تعرض نہ کرو اگر ایسا ہو جاوے تو اچھا ہے بس پھر سب مل جل کر رہو یہ رائیں ہیں۔ میں کہتا ہوں گورنمنٹ کے قوانین میں کیوں دست اندازی نہیں کرتے بس یہ اللہ میاں ہی کا قانون ہے تختہ مشق بنانے کیلئے رہ گیا۔ یہ تو ان کی حالت ہے جو بد دین ہیں اور جو دیندار ہیں اُن میں بعضوں کو یہ خبط ہو گیا کہ دو چار کتابوں کے ترجمے دیکھ لئے مجتہد ہو گئے تصوف کے رسالے دیکھ لئے اور شیخ کامل بن گئے۔ طب احسانی دیکھ لی مطب کرنے لگے طبیب حاذق بن گئے اب شیخ جی کی کلیات بھی لغویات اور واہیات ہو گئیں مسہل کا ایک نسخہ یاد کر لیا چاہیے جس خلط کا غلبہ ہو وہی ایک نسخہ دیدیا مریض چاہے مرے یا جیے

ایک نیم حکیم کی حکایت

ایک سیاح کا قصہ سُنا ہے کہ اسنے ایک میم کو دوا دی تھی ۔ پولیس کمشنر صاحب کی میم تھی آدھے سر کے درد کی شکایت تھی کسی طرح اچھا نہوتا تھا ان سیاح صاحب نے انعام کے لالچ میں اُسے اپنے پاس سے بوٹی دی خدا کی شان کہ وہ اچھی ہو گئی اب یہ گئے انعام مانگنے اس نے پوچھا کہ یہ کیا بوٹی تھی جو تم نے دی تھی اسکی کیا خاصیت ہے اور کیا مزاج ہے اور اس کا کیا کیا نفع ہے اور اگر نقصان کرے تو کیا تدارک ہے انھوں نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم نہیں اس نے کہا ایسی نامعلوم چیز سے تم نے ہمارا علاج کیوں کیا اگر ہم مرجاتے یا ہمارا مرض بڑھ جاتا تو کیا ہوتا اس کا چالان کرادیا مقدمہ چلا اور وہ جیلخانہ گیا بس ایسے مجتہدوں کو بھی اگر ایسی سزا ملا کرے تو آنکھیں کھل جائیں ۔ مولویوں کے قال یقال سے یہ باز نہیں رہ سکتے اگر مولوی کہیں تو گالیاں کھائیں غرض اس بڑائی کی بدولت ان اجتہادات کی نوبت پہونچی اور ان اجتہادات کی بدولت ان لوگوں نے اسلام کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی بعض جو مدعی اجتہاد بھی نہیں انھوں نے اسلام کے احکام وضوابط اور ان کا اغراض ورسوم کے ساتھ مزاحم ہونا دیکھکر اس کی حقیقت کا عجیب خلاصہ نکالا چنانچہ ایک شخص یہی کہتے تھے کہ اسلام کی تعلیم کا یہ خلاصہ ہے کہ تم خوشی میں شامل نہ رہو تو یہ معنیٰ اسلام کے سمجھے اور ان کو اسلام

بڑا سخت اور خونخوار نظر آنے لگا غرض افسوس اسلام کو اپنوں میں سے کسی نے بھی نہ سمجھا سو سمجھ لو کہ اسلام تعلق مع اللہ کا نام ہے اور من اسلم سے یہی مقصود ہے پس اس حقیقت پر اگر مفصل نظر کرو تو آپ معلوم ہوگا کہ اسلام کیسی حسین چیز ہے اسلام وہ چیز ہے کہ ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　　کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

سر سے پیر تک جس جگہ کو دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچ لیتا ہے کہ بس جگہ تو یہ ہے (یعنی ہر جگہ دیکھنے کے قابل ہے)

خدا کی قسم جس پہلو سے لو نہایت راحت بخش اور مصالح کی رعایت کرنے والا مذہب ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اسکی تعریف کر سکوں ؎

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش
حسن ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

قلم توڑ ڈالو اور روشنائی گرادو کاغذ پھونک دو اور خاموش ہو جاؤ حسن یہ عشق کا قصہ ہے دفتر میں سما سکتا نہیں۔

کسی محقق کے پاس چند روز رہ لو اس وقت آنکھیں کھلیں کہ اسلام کیا چیز ہے۔

اسلام کے بعض معاشرتی احکامات

اسلام وہ مذہب ہے جس نے ایسی

چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی ہے کہ جب تین آدمی کسی مجلس میں بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ تیسرے کی دلشکنی ہوگی وہ سمجھے گا کہ یہ مجھ سے مخفی رکھنا ہے ہاں جب چار ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں کہ وہ دونوں بھی سرگوشی کر سکتے ہیں اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شاید دوسرے سے مخفی رکھنا ہو اور لیجئے حضورؐ کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے آواز دی آپ نے پوچھا من کون ہے انھوں نے کہا انا میں ہوں آپ نے فرمایا انا انا میں میں یہ بھی کوئی جواب ہوا۔ کتنی معقول بات فرمائی۔ پہلی آواز سے آپ نے نہیں پہچانا اس لئے پوچھا کہ کون ہے اس کے جواب میں میں ہوں کہنا غلطی ہے اس واسطے کہ اس سے مزید پتہ نہ معلوم ہوا جو آواز پہلے معلوم ہوئی تھی وہی اب بھی معلوم ہوئی اگر آواز سے پہچانتے تو پہلے ہی پہچان لیتے اور یہاں تک تعلیم فرمائی کہ قانون بتلا دیا جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے دروازہ پر اجازت لے لو کہ السلام علیکم فلاں حاضر ہو اگر جواب نہ آوے پھر اجازت مانگو پھر کہو تیسری بار اجازت مانگو تین دفعہ کے بعد بھی اگر کوئی نہ آوے نہ جواب دے تو لوٹ جاؤ شکایت مت کرو برا مت مانو۔ کتنی اچھی تعلیم فرمائی ہے باب اخلاق کا خلاصہ یہ ہے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

جنت وہ جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی کسی کو کسی سے کوئی غرض نہ ہوگی سب کو خدا سے واسطہ ہوگا۔

مصرعہ ثانی کا یہ مطلب نہیں کہ ایک کو دوسرے سے ہمدردی نہ ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے ایذا نہ ہو۔ اسباب ایذا کو نہایت اہتمام سے رفع کیا گیا ہے اس کا نہایت اہتمام کیا ہے کہ کسی کو کسی سے تنگی نہ ہو اور خود حضور نے عمل کر کے بھی دکھلا دیا حالانکہ آپ پر کسی کو جان تصدق کرنے میں بھی دریغ نہ تھا مگر پھر .... آپ نے معاملات میں خدام کو کسقدر آزاد رکھا تھا کہ حضرت بریرہ رض پہلے ایک باندی تھیں حالتِ رق[1] میں ان کا نکاح کر دیا گیا تھا اُس کے بعد یہ آزاد کی گئیں تو قانون شرعی یہ ہے کہ جو کوئی باندی آزاد ہو جائے تو اُسے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے نہ رہنے میں اختیار ہوتا ہے تو بریرہ رض نے آزاد ہوتے ہی اُن شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا ان کے شوہر انھیں بہت چاہتے تھے انھیں ان کی جدائی ناگوار ہوئی بیچارے روتے پھرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی حالت جب خراب دیکھی حضرت بریرہ رض سے فرمایا کہ تم مغیث کے ساتھ نکاح کرلو تو اچھا ہے تو حضرت بریرہ رض سوال کرتی ہیں کہ حضور یہ حکم ہے یا سفارش آپ نے فرمایا کہ سفارش ہے تو بریرہ رض کہتی ہیں میں نہیں قبول کرتی آپ خاموش ہو رہے ناخوش نہیں ہوئے ذرا بڑے لوگ غور سے دیکھیں

[1] تکلیف [2] غلامی ۱۲

کہ سفارش کا کیا درجہ آج کسی پیر صاحب یا کسی مولوی صاحب سے بے پردہ رُخ کی گفتگو کرکے دیکھ لیجئے کتنا ناخوش ہوں گے افسوس کہاں حضورؐ سے بھی بڑھ گئے کہاں کی مولویت کہاں کی پیری ۔ تو ہر امر میں اپنا اثر ڈال کر دوسرے کو مجبور کرنا چاہتے ہیں ہم نے ریل میں ایک مدعی آزادی کو دیکھا کہ گھسی ہوئی دونی قلی کو دی اسنے کہا کہ بدل دیجئے انکار کردیا اس نے کہا کہ یہ نہیں چلیگی کہا کہ چلا دینا اس نے کہا کیونکر چلادوں کہا جسطرح ہم نے چلادی ہے اسیطرح تم تو ظالم تھے اسواسطے تم نے چلالی وہ غریب تمہاری طرح کیسے چلاسکتا ہے ۔ وہ بیچارہ روتا ہوا چلا گیا ۔ یہ کیا تعلیم ہے کیا تہذیب ہے تم معاشرت میں جنکی حرص کرتے ہو وہ تو ایسا نہیں کرتے کہ خوانخواہ کسی غریب پر اسطرح کا ظلم کریں ۔ کیا یہی معنی ہیں آزادی کے کہ ہم پر تو کسی کا بوجھ نہ پڑے اور ہمارا بوجھ سب پر پڑے اصل آزادی وہی ہے جو اسلام نے تعلیم فرمائی ہے جسکا خلاصہ ہے ع

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ۔ جنت وہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہو۔

حضورؐ کی ایک اور معاشرت

ان واقعات سے بڑھکر ایک اور قصہ مسلم شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے شوربا پکایا تھا حضورؐ کی دعوت کی آپ نے فرمایا کہ بھی عائشہ بھی چلیں گی انھوں نے کہا نہیں فقط آپ ۔ آپنے فرمایا کہ پھر میں بھی نہیں چلتا انھوں نے کہا نہ سہی وہ چلے گئے دوبارہ پھر

آئے پھر یہی گفتگو ہوئی پھر چلے گئے تیسری مرتبہ میں انھوں نے حضرت عائشہ رض کی بھی دعوت منظور کی سبحان اللہ کیا آزادی ہے کیسا بے تکلف کہدیا کہ نہیں اور جب وہ اسقدر آزاد تھے تو بعد میں جو انہوں نے حضرت عائشہ رض کی دعوت بھی کردی تو وہ اُسوقت اُن کی رائے بدل گئی تھی جبر کی کوئی بات نہ تھی اللہ اکبر یہ ہے آزادی کوئی ایسا کرکے تو دکھلادے۔

دو بزرگوں کی حکایت ہمارے استاذ زادہ ہیں حکیم معین الدین صاحب اُن کے یہاں مولانا گنگوہی رح تشریف لائے اس روز اُن کے گھر میں سناٹا تھا عرض کیا میرے یہاں تو آج کچھ ہے نہیں اگر آپ فرمائیں تو کسی اور کو دعوت کی ترغیب دوں مولانا نے فرمایا کہ میں تمہارا مہمان ہوں تمہارے گھر فاقہ ہے تو میں بھی فاقہ کروں گا یہ ہیں متبع سنت وہ تھوڑا ہی کہ دو چار اختلافی مسئلوں میں شور کردیا بس متبع سنت ہوگئے مولانا کی برکت سے شام کے وقت ایک شخص آیا حکیم صاحب کو کچھ روپے نذر دے گیا اب کیا تھا مولانا نے فرمایا بکھیڑا نہ کرنا حکیم صاحب نے عرض کیا واہ فاقہ کے بعد بھی بکھیڑا نہو تکلف کا کھانا تیار کرایا۔ حضرت! کیا بے آزار زندگی ہے گاڑھے کے کپڑے ہیں اُس میں بھی راضی ہیں دوشالہ ہے تو اس میں بھی خوش ہیں اور اصل آزادی تو اہل اللہ میں ہے مگر دنیاداروں میں بھی پرانی وضع میں بہ نسبت نئی وضع کے پھر کسی

قدر آزادی ہے جو جی چاہے پہن لیجئے آج کل اگر کوٹ پہنیں تو
لنگی فیشن کے خلاف لنگی باندھیں تو کوٹ فیشن کے بالکل خلاف
بخلاف پرانی وضع کے کہ ع لنگلے زیر و لنگلے بالا ۔ سب کھپتا
ہے پس آزادی تو یہ ہے اور وہ تو جکڑ بندی ہے خدا جانے اسکا
نام آزادی کس نے رکھا ہے جب فیشن ہے تو آزادی کہاں وہ تو
اچھی خاصی قید ہے غرض اسلام کی حقیقت اور اسکی تعلیمات کو
دیکھئے تو پھر اسکا حسن و جمال معلوم ہو اور جو لوگ اس سے کورے ہیں
انھوں نے حقیقت ہی نہیں سمجھی سو اسلام کے معنی ہیں اپنے کو خدا
کے سپرد کر دینا اور جب سپردگی ٹھہری تو ایک ذرہ برابر جز میں بھی
اگر خود رائی ہوگی تو سپردگی کہاں رہے گی ۔ اب بالکل سمجھ میں آجائیگا
کہ پاجامہ ٹخنوں سے نیچا پہننا اسلام کے خلاف کیوں ہے اور داڑھی
کٹانا یا منڈانا اسلام کے خلاف کیوں ہے ۔ پاجامہ کرتہ ٹوپی کی
خاص اوضاع اسلام کے خلاف کیوں ہے اور اسی سپردگی کی
ایک مثال ہے کہ کوئی مقدمہ ایک وکیل کے سپرد کر دیتے ہیں یا پنچ
کے سپرد کر دیتے ہیں اس عارضی سپردگی کا یہ اثر ہے کہ پھر اسمیں
کوئی رائے نہیں دیتا ۔ جو وہ کہے مانتا ہے جو وہ کرے کرتا ہے
اسی طرح خدا کے سپرد کرنے کے بعد بھی رائے زنی نہ کرنا چاہئے
یہ ہے تفویض الی اللہ اسی کو عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

لہ کھپتیں ۱۲ ؎ اصطلاح تصوف میں اپنے تمام کاموں کے انجام کو خدا کے سپرد کرنا

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

اپنی فکر اور اپنی رائے عشق کی دنیا میں نہیں۔ اس مذہب طریقت میں اپنے پر نظر رکھنا اور اپنی رائے چلانا کفر فی الطریقت ہے۔

اس زمانہ میں دونوں مرض عام ہیں۔ عام طور سے اسلامی مسائل میں رائے دیتے ہیں کہ ہمارے خیال میں یوں ہونا چاہیئے۔

احکامات اسلام میں رائے زنی کی ایک مثال

ارے تم ہو کیا چیز

تمہاری ایسی ہی مثال ہے کہ ایک کاغذ کا مل ہے اس میں سیکڑوں آدمی نوکر ہیں اس میں حوض بھی ہوتے ہیں اور حوض میں پانی بھی ہوتا ہے جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ پانی کے ایک قطرہ میں لاکھوں کیڑے ہوتے ہیں جو خردبین سے نظر آتے ہیں ان کیڑوں میں سے ایک کیڑا آپ سے کہے کہ میری رائے میں آپ اس کلرک کے بجائے فلاں کلرک کو رکھیئے تو آپ بہت ہنسیں گے کہ وہ کیڑا جو کہ پانی کے ایک قطرہ سے بھی لاکھوں حصہ چھوٹا ہے ہمیں رائے دیتا ہے اسے کیا خبر کہ کیا ہونا چاہیئے جو اس کیڑے کی رائے آپکے کاغذ کے کارخانہ میں وقعت رکھتی ہے۔ واللہ خدا کے کارخانہ میں آپکی رائے کا بھی وہی درجہ ہے بلکہ اس سے بھی بدرجہا زیادہ ذلیل و خوار ہے واللہ بغاوت عظیمہ ہے کہ ہمارے خیال میں

ہمارا خیال ہی کیا چیز ہے شرم نہیں آتی کہ خدا کو رائے دیتے ہو
حالانکہ تم خدا کے مقابلہ میں اتنے بھی نہیں جتنا تمہارے مقابلہ میں
وہ کیڑا ہے کیونکہ کمالاتِ باری غیر متناہی ہیں اور تم متناہی اور وہ
کیڑا بھی مثل تمہارے متناہی۔ تو رائے ہماری کیا ہے حاصل یہ کہ
سپرد کر دینے کے بعد پھر رائے نہیں دی جایا کرتی جسطرح مقدمہ
وکیل کے سپرد کر دیئے گئے بعد کوئی رائے نہیں دیتا اسی کو فرماتے
ہیں۔ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ باقی ذات کو وجہ سے کیوں تعبیر کیا۔ سو وجہ
کہتے ہیں منہ کو عموماً مفسرین نے تو یہ لکھا ہے کہ یہاں تسمیۃ الکل
باسم الجزء ہے یعنی جز بول کر کل مراد لیا ہے اور وجہ تخصیص یہ کہ
وجہ تمام اعضاء میں اشرف تھا جب اشرف کو سپرد کر دیا تو کل
کو سپرد کر دیا مگر ایک اس سے زیادہ بات لطیف ہے وہ
یہ کہ پہچان چہرہ سے ہوتی ہے تو گویا تشخص میں زیادہ دخل
چہرہ کو ہے پس وجہ سے تعبیر کرنا ذوات متشخصہ کو نہایت
برمحل ہے یہ تو پرانے طالبعلموں کے کام کی بات تھی۔ ایک بات
نو تعلیم یافتہ لوگوں کے کام کی بھی سمجھ میں آئی کہ آجکل جو رائے
دیجاتی ہے اس کی قوت دماغ کے اندر ہے اور وجہ کو دماغ سے
خاص تلبس ہے گویا دونوں متلازم ہیں پس وجہ کو سپرد کرنا
گویا دماغ کو سپرد کرنا ہے اور دماغ کو سپرد کرنے کے بعد
جب دماغ ہی آپ کا نہ رہا تو رائے اور خیال آپ کا کہاں سے

آیا تو یہ تعبیر مشیر ہے خود رائے کے قطع کر دینے کی طرف اگر کوئی کہے کہ کیا دماغ سے کام نہ لیں اسلام کے احکام تو سب دماغ ہی کے متعلق ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر مقدمہ کسی بیرسٹر کے سپرد کر دو تو اگر وہ ... گواہوں کی شناخت کے واسطے کہے تو کیا اس کو یہ جواب دو گے کہ ہم نے تو اپکے سپرد کر دیا جس چیز کو سپرد کر دیا ہے اسمیں اپنی رائے کا دخل مت دو باقی جتنے میں وہ خود دخل دینے کو کہے اس میں دخل دو بس اسی طرح یہاں بھی دماغ سے اتنا کام لو جتنا حکم ہے۔

اور یہ توجیہیں تو جب ہیں کہ وجہ کو ظاہری توجہ پر رکھا جائے اور اگر وجہہ کو وجہہ باطن پر محمول کیا جائے تو یہاں پر وجہہ کے معنیٰ قلب کے ہوں گے جیسے اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَنِي میں کہا گیا ہے کہ یہاں وجہ سے مراد چہرہ نہیں ہے کیونکہ اسکو خدا کی طرف کرنے کے کیا معنیٰ بلکہ یہاں مراد قلب ہے کہ میں نے پھیر دیا رخِ قلب اپنا خدا کی طرف جس نے مجھے پیدا کیا تو یہ اسلم وجہ کا بطن اور باطن تھا خلاصہ مجموع توجیہیں کا یہ ہوا کہ اپنی ہر چیز کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اب سمجھیے کہ کبھی سپرد کرنا غرض کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی خوف سے اور کبھی محبت سے محققین کا مذہب ... یہ ہے کہ اگر کسی نے غرض کی وجہ سے سپرد

کیا کہ کام خوب نکلیں گے تو یہ شرک خفی ہے کہ کام بنانے کیلئے اطاعت کرتا ہے خدا کے لئے نہیں کرتا پس یہ تسلیم اس لئے کرو کہ اس کا حق ہے اس لئے وَھُوَ مُحْسِنٌ بھی فرمایا کہ سپرد کرنے میں اخلاص ہو اپنی کوئی غرض وابستہ نہ ہو چنانچہ اسلام جب ہی مقبول ہے کہ اسمیں ریا نہ ہو کیونکہ یہ خلافِ اخلاص ہے اس تفسیر کے بعد معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام مطلوب کی یہی حقیقت ہے کہ خالصًا اللہ کے ہو جاوٗ۔ آگے احسان کے متعلق بھی بہت مضمون تھا مگر اب وقت نہیں رہا انشاء اللہ پھر کسی موقعہ پر مستقلاً بیان کر دیا جائیگا اس کے بعد اب وعدہ ہے کہ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اس کے لئے اس کا اجر ہے اسکے پروردگار کے نزدیک فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ پر کفایت نہیں کی بلکہ عِنْدَ رَبِّهٖ بھی بڑھایا اس میں بڑا راز ہے ایک تو کسی مزدور سے کہیئے کہ کام کرو ہم تمہیں کھانا کھلائیں گے اور ایک یہ کہ اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلائیں گے اور وہ مزدور عاشق بھی ہو تو کس قدر شوق سے کام کریگا اور کھانے سے کسقدر مسرور ہو گا۔ عِنْدَ رَبِّهٖ اس لئے بڑھایا ہے ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ — جنت ست آں گرچہ باشد قعر چاہ
ہر کجا دلبر بود خرم نشیں — فوق گردوں ست نے قعر زمیں،

جہاں یوسف کی طرح چاند جیسا چہرہ موجود ہو وہ حقیقت میں جنت ہے۔

اگر بظاہر جہنم کا گڑھا ہو۔ اسی طرح جس جگہ محبوب خوش خرم بیٹھا وہ مقام مرتبہ میں اس سے بھی بلند ہے زمین کا گڑھا نہیں ۱۲۔

سبحان اللہ کیا قرآن کی بلاغت ہے بس یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت را بو ارباب معنی را

اسکے حسن کا عالم بہار دل وجاں دونوں کو تازہ رکھتا ہے۔ رنگ سے اہل ظاہر کو اور خوشبو سے اہل باطن کو ۱۲

یعنی دو مذاق کے لوگ ہیں ایک تو روٹ کھوے جیسے ہم ہیں اُن کو فلہ اجرہ سے خوش کر دیا کہ گھبراؤ نہیں روٹیاں مل جائیں گی ایک وہ ہیں جو دیدار کے مشتاق ہیں ان کے واسطے عند ربہ فرمایا کہ دعوت ہوگی اور ہمارے پاس ہوگی اور یہ سب انعام ہوا انعام کا کمال یہ ہے کہ منفعت عطا ہو اور مضرت سے بچایا جائے منفعت کا مذکور تو ہو چکا آگے مضرت سے بچانے کا وعدہ ہے کہ لاخوف علیہم ان پر کوئی خوف نہیں۔ کوئی قید نہیں لگائی کہ کہاں خوف نہیں گو بعض جگہ سے آخرت کی قید معلوم ہوتی ہے کہ آخرت میں کوئی خوف نہیں لیکن یہاں کا اطلاق اگر بحالہ رکھا جائے تو دنیا و آخرت دونوں کو عام رہے گا۔

ایک شبہ کا جواب رہا یہ کہ دوسری آیات میں یخافون ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خوف ہے

سو محققین نے جواب دیا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ فرمایا لاخوف بھم یا لھم نہیں فرمایا یعنی ان پر خوف کی چیز واقع نہ ہوگی گو خود وہ خوف کیا کریں اس کے بعد ارشاد ہے وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوف آئندہ کا اندیشہ ہے اور حزن واقعۂ ماضیہ کے متعلق ہوتا ہے تو حاصل یہ ہوا کہ نہ تو مستقبل میں کسی مضرت کا احتمال ہے نہ کسی ماضی کی فوت سے ان پر حزن ہے کہ ہائے یہ نہوا ہائے وہ نہوا نہ دنیا میں نہ آخرت میں خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی مضرتوں سے محفوظ ہوں گے یہ اسلام پر انعام ہوا اے صاحبو! اس تقریر سے اسلام کی حقیقت یا بلفظ دیگر تعلق مع اللہ کے برکات ظاہر ہو گئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسے نہ اختیار کریں یہ بہت بڑی دولت ہے یا تو مجھے کوئی دولت اس کے مقابلہ میں ایسی بتا دیجئے جو اس سے بڑھ کر ہو تاکہ میں بھی آئندہ ایسی کی ترغیب دیا کروں اور اگر ایسی کوئی دولت نہیں تو آپ بھی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کیجئے ورنہ حجت تمام ہو چکی اب آپ کے پاس قیامت میں کوئی جواب نہیں ہے۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں توفیق عمل کی عطا فرمائے آمین فقط۔

تمام شد

(N. ILHAHI)